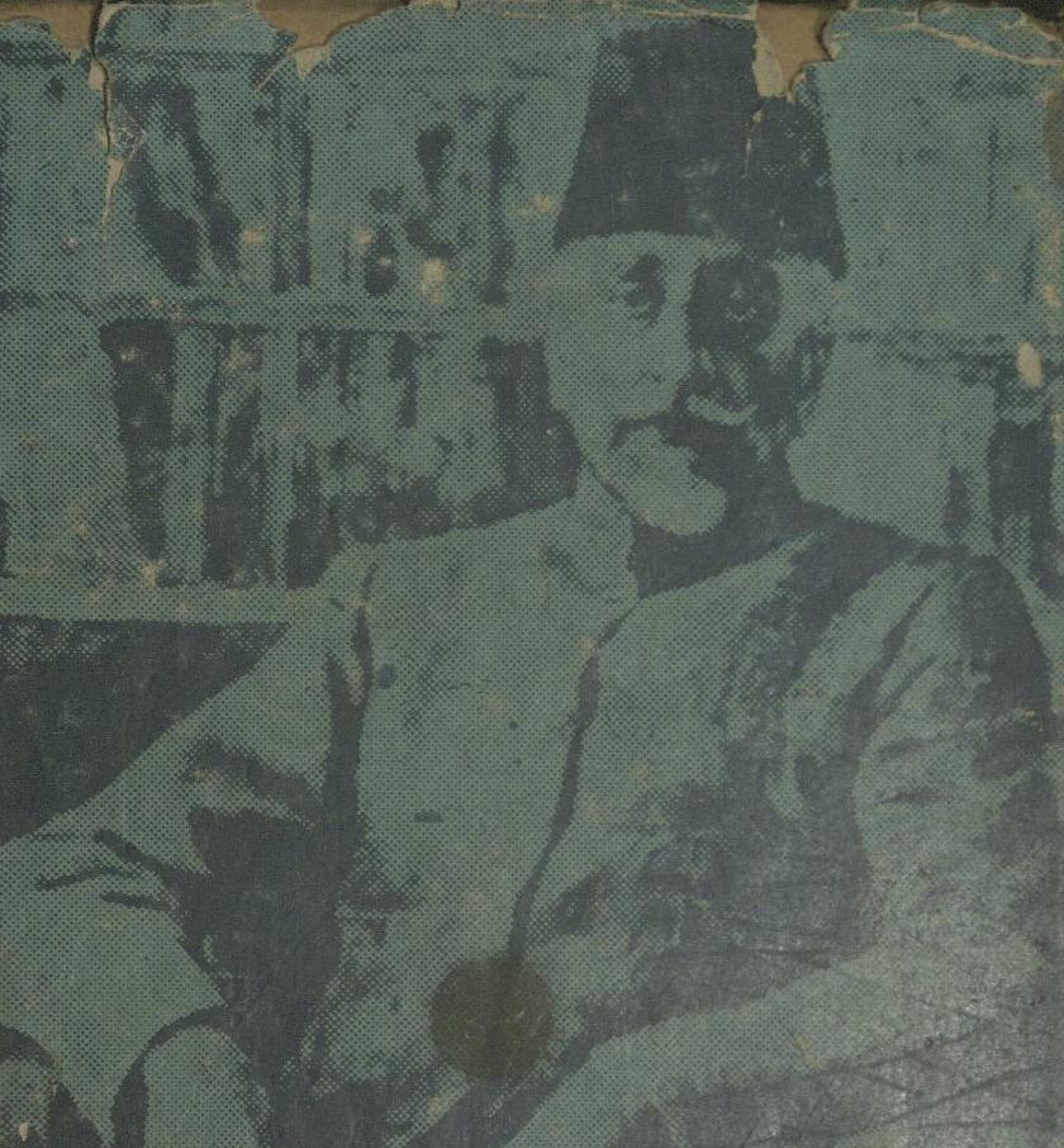


موجِ رفتہ

مولانا ابوالکلام آزاد

مرتبہ: جانباز مرزا

شیش محل کتاب گھر

۲۴ - دی مال - لاہور

فہرست

آغا امیر حسین پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس سے چھپوا کر اپنے شیش محل کتاب گھر ۴۲ دی مال لاہور سے شائع کی۔

شاہجہان مسجد دہلی کی ایک یادگار تقریر

عزیزان گرامی! آپ جانتے ہیں کہ وہ کونسی زنجیر ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے
میرے لئے شاہ جہان کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع نیا نہیں۔ میں نے اس زمانے
میں بھی کہ اس پر لیل و نہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں۔ تمہیں یہیں سے خطاب
کیا تھا۔ جب تمہارے چہروں پہ اضمحلال کی بجائے اطمینان تھا اور تمہارے دلوں
میں شک کی بجائے اعتماد آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا
ہوں۔ تو مجھے بے اختیار پچھلے چند سالوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں تمہیں
یاد ہے۔ میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میں نے قلم اٹھایا اور
تم نے میرے ہاتھ قلم کر لئے۔ میں نے چلنا چاہا۔ تم نے میرے پاؤں کاٹ دئے۔
میں نے کروٹ لینا چاہی اور تم نے میری کمر توڑ دی۔ حتیٰ کہ پچھلے سات سال کی

"تلخ نوا ستیا" جو تمہیں آج داغ جدائی دے گئی ہے۔ اس کے عہد شباب میں بھی میں نے تمہیں خطرے کی ہر شاہراہ پہ جھنجھوڑا۔ لیکن تم نے میری صدا سے نہ صرف اعراض کیا۔ بلکہ غفلت و انکار کی ساری سنتیں تازہ کر دیں۔ نتیجہ معلوم کہ آج ان ہی خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے۔ جن کا اندیشہ تمہیں صراط مستقیم سے ورغلا لے گیا تھا۔

دُور افتادہ صدا

سچ پُوچھو تو اب میں ایک جمود ہوں۔ یا ایک دور افتادہ صدا جس نے وطن میں رہ کر بھی غریب الوطنی کی زندگی گزاری ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو مقام میں نے پہلے دن اپنے لئے چُن لیا تھا وہاں میرے بال و پر کاٹ لئے گئے ہیں۔ یا میرے آشیانے کے لئے جگہ نہیں رہی۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے دامن کو تمہاری دست درازیوں سے گلہ ہے میرا احساس زخمی ہے اور میرے دل کو صدمہ ہے۔ سوچو تو سہی تم نے کونسی راہ اختیار کی۔ کہاں پہنچے اور اب کہاں کھڑے ہو؟ کیا یہ خوف کی زندگی نہیں۔ اور کیا تمہارے حواس میں اختلال نہیں آگیا۔ یہ خوف تم نے خود فراہم کیا ہے۔ یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کے پھل ہیں۔

مرض الموت

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں بیتا۔ جب میں نے تمہیں کہا تھا۔ کہ ڈرو موں کی حیات

معنوی کے لئے مرض الموت کا درجہ رکھتا ہے ۔ اس کو چھوڑ دو ۔ یہ ستون جن پر تم نے بھروسہ کیا ہوتا ہے ۔ نہایت تیزی سے ٹوٹ رہے ہیں ۔ لیکن تم نے سنی ان سنی برابر کر دی ۔ اور یہ نہ سوچا کہ وقت اور اس کی رفتار تمہارے لئے اپنا ضابطہ تبدیل نہیں کر سکتے ۔ وقت کی رفتار تھمی نہیں ۔ تم دیکھ رہے ہو کہ جن سہاروں پر تمہارا بھروسہ تھا ۔ وہ تمہیں لاوارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کر گئے ہیں ۔ وہ تقدیر جو تمہارے دماغی لغت میں مشیت کی منشا سے مختلف مفہوم رکھتی ہے ۔ یعنی تمہارے نزدیک فقدان ہمت کا نام تقدیر ہے ۔

بساط اُلٹ گئی

انگریز کی بساط تمہاری خواہش کے برخلاف اُلٹ دی گئی ۔ اور راہ نمائی کے وہ بُت جو تم نے وضع کئے تھے وہ بھی دغا دے گئے ۔ حالانکہ تم نے یہی سمجھا تھا ۔ کہ یہ بساط ہمیشہ کے لئے بچھائی گئی ہے اور ان ہی بتوں کی پوجا میں تمہاری زندگی ہے ۔ میں تمہارے زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا ۔ اور تمہارے اضطراب میں مزید اضافہ میری خواہش نہیں ۔ لیکن اگر کچھ دور ماضی کی طرف پلٹ جاؤ ۔ تو تمہارے لئے بہت سی گرہیں کھل سکتی ہیں ۔ ایک وقت تھا کہ میں نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کا احساس دلاتے ہوئے تمہیں پکارا تھا اور کہا تھا کہ

جو ہونے والا ہے اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے روک نہیں سکتی ۔ ہندوستان

کی تقدیر میں بھی سیاسی انقلاب لکھا جاچکا ہے اور اس کی غلامانہ زنجیریں بیسویں صدی کی ہوائے حریت سے کٹ کر گرنے والی ہیں۔ اگر تم نے وقت کے پہلو بہ پہلو قدم اٹھانے سے پہلو تہی کی اور تعطل کی موجودہ زندگی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو مستقبل کا مورخ لکھے گا کہ:۔

تمہارے گروہ نے جو سات کروڑ انسانوں کا ایک غول تھا۔ ملک کی آزادی کے بارے میں وہ رویہ اختیار کیا جو صفحۂ ہستی سے محو ہو جانے والی قوموں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ آج ہندوستان آزاد ہے۔ اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ وہ سامنے لال قلعے کی دیوار پر آزاد ہندوستان کا جھنڈا اپنے پورے شکوہ سے لہرا رہا ہے یہ وہی جھنڈا ہے جس کی اڑانوں سے حاکمانہ غرور کے دل آزار قہقہے تمسخر کیا کرتے تھے۔

وقت کی انگڑائی

یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہشوں کے مطابق انگڑائی نہیں لی۔ بلکہ اس نے ایک قوم کے پیدائشی حق کے احترام میں کروٹ بدلی ہے۔ اور یہی وہ انقلاب ہے جس کی ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوف زدہ کر دیا ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شئے چھن گئی۔ اور اس کی جگہ بری شئے آگئی۔ ہاں تمہاری بے قراری اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شئے کے لئے

تیار نہیں کیا تھا۔ اور بڑی شے ہی کو ملجا و ماویٰ سمجھ رکھا تھا۔ میری مراد غیر ملکی غلامی سے ہے۔ جس کے ہاتھوں تم نے مدتوں حاکمانہ طمع کا کھلونا بن کر زندگی بسر کی ہے۔ ایک دن تھا جب تم کسی جنگ کے آغاز کی فکر میں تھے۔ اور آج اس جنگ کے انجام سے مضطرب ہو۔ آخر تمہاری اس عجلت پر کیا کہوں کہ اِدھر ابھی سفر کی جستجو ختم نہیں ہوئی۔ اور اُدھر گمرہی کا خطرہ بھی پیش آگیا ہے۔

سیاسیات میں ذاتیات

میرے بھائی! میں نے ہمیشہ سیاسیات کو ذاتیات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور کبھی اس پُرخار وادی میں قدم نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ میری بہت سی باتیں کنایوں کا پہلو لئے ہوتی ہیں۔ لیکن آج مجھے جو کہنا ہے میں اسے بے روک ہو کر کہنا چاہتا ہوں۔ متحدہ ہندوستان کا بٹوارہ بنیادی طور پر غلط تھا۔ مذہبی اختلافات کو جس ڈھب سے ہوا دی گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی آثار و مظاہر تھے۔ جو ہم نے اپنی آنکھوں دیکھے۔ اور بدقسمتی سے بعض مقامات پر ابھی تک دیکھ رہے ہیں۔

پچھلے سات برس کی روداد دُہرانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں اور نہ اس سے کوئی اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ البتہ ہندوستان کے مسلمانوں پر مصیبتوں کا جو ریلا آیا ہے۔ وہ یقیناً مسلم لیگ کی غلط قیادت کی فاش غلطیوں کا بدیہی

نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ مسلم لیگ کے لئے تو موجب حیرت ہو سکتا ہے۔ لیکن میرے لئے اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ میں پہلے دن ہی سے ان نتائج پر نظر رکھتا تھا۔

اب ہندوستان کی سیاست کا رُخ بدل چکا ہے۔ مسلم لیگ کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ اب یہ ہمارے اپنے دماغوں پر منحصر ہے کہ ہم کسی اچھے انداز فکر میں سوچ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی خیال سے میں نے نومبر کے دوسرے ہفتے میں ہندوستان کے مسلمان رہنماؤں کو دہلی بُلانے کا قصد کیا ہے۔ دعوت نامے بھیج دیئے گئے ہیں۔ ہراس کا یہ موسم عارضی ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کو ہمارے سوا کوئی زیر نہیں کر سکتا۔

دعوتِ انقلاب

میں نے تمہیں ہمیشہ کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو۔ شک سے ہاتھ اٹھالو اور بدعملی کو ترک کر دو۔ یہ تین دھار کا انوکھا خنجر لوہے کی اس دودھاری تلوار سے زیادہ کاری ہے۔ جس کے گھاؤ کی کہانیاں میں نے تمہارے نوجوانوں کی زبانی سُنی ہیں۔

یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر بھی غور کرو۔ تمہیں محسوس ہوگا کہ یہ غلط ہے۔ اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ۔ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو۔ اور پھر دیکھو کہ تمہارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر

کہاں جا رہے ہو۔ اور کیوں جا رہے ہو؟

یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں۔ کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا۔ اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

بے جا جوش اور بیجا ہراس

عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر لو۔ جس طرح آج سے کچھ عرصہ پہلے تمہارا جوش و خروش بے جا تھا۔ اسی طرح آج تمہارا یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور بزدلی، یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ سچے مسلمان کو نہ تو کوئی طمع ہلا سکتی ہے۔ اور نہ کوئی خوف ڈرا سکتا ہے۔ چند انسانی چہروں کے غائب از نظر ہو جانے سے ڈرو نہیں۔ انہوں نے تمہیں جانے ہی کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ آج انہوں نے تمہارے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ تو یہ عیب کی بات نہیں یہ دیکھو کہ تمہارے دل تو ان کے ساتھ ہی رخصت نہیں ہو گئے۔ اگر دل ابھی تک تمہارے پاس ہیں۔ تو ان کو اپنے اس خدا کی جلوہ گاہ بناؤ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک اُمیؐ کی معرفت فرمایا تھا۔

"ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا ولا خوف"

علیھم و لا ھم یحزنون ۔ جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم ۔ ہوائیں آتی اور گزر جاتی ہیں ۔ یہ صرصر سہی ۔ لیکن اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں ۔ ابھی دیکھتی آنکھوں ابتلا کا یہ موسم گزرنے والا ہے ۔ یوں بدل جاؤ ، جیسے تم پہلے کبھی اس حالت میں نہ تھے ۔

حرفِ شکایت

میں کلام میں تکرار کا عادی نہیں ۔ لیکن مجھے تمہاری تغافل پیشگی کے پیش نظر بار بار کہنا پڑتا ہے کہ تغیری طاقت اپنے گھمنڈ کا پشتارہ اٹھا کر رخصت ہو چکی ہے ۔ جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا ہے ۔ سیاسی ذہنیت اپنا پچھلا سانچہ توڑ چکی ۔ اور اب نیا سانچہ ڈھل رہا ہے ۔ اگر اب بھی تمہارے دلوں کا معاملہ بدلا نہیں ۔ اور دماغوں کی چبھن ختم نہیں ہوئی ۔ تو پھر حالت دوسری ہے ۔ لیکن اگر واقعی تمہارے اندر سچی تبدیلی کی خواہش پیدا ہو گئی ہے ۔ تو پھر اسی طرح بدلو ۔ جس طرح تاریخ نے اپنے تئیں بدل لیا ہے ۔

آج بھی کہ ہم ایک دورِ انقلاب کو پورا کر چکے ہیں ۔ ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ صفحے خالی ہیں ۔ اور ہم انہی صفحوں میں زیب عنوان بن سکتے ہیں ۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم اس کے لئے تیار بھی ہیں ——؟

سورج سے کرنیں چھین لو

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے بلکہ اب تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے۔ لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو۔ اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو۔ جہاں اُجالے کی سخت ضرورت ہے۔

میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدرسے سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو۔ اور کاسہ لیسی کی وہی زندگی اختیار کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے۔ میں کہتا ہوں جو اُجلے نقش و نگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آ رہے ہیں۔ وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا۔ انہیں بھلاؤ نہیں۔ انہیں چھوڑو نہیں۔ ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لئے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت بھگا نہیں سکتی۔

آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اس کے لئے ہیں۔ اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہینگے۔

آج زلزلوں سے ڈرتے ہو۔ کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے۔ آج اندھیرے سے کانپتے ہو۔ کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا وجود ایک اُجالا تھا۔ یہ بادلوں کی ٹپک کیا ہے۔ کہ تم نے بھیگ جانے کے خدشے سے اپنے پائنچے چڑھا لئے ہیں۔ وہ

تمہارے ہی اسلاف تھے۔ جو سمندروں میں اتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا۔ بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرا دیئے۔ بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے یہ ایمان کی جان کنی ہے۔ کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تار بیچ رہے ہیں۔ اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے ہیں۔ کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہیں تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لیے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا اور وہ نسخہ ہے قرآن کا یہ اعلان لا تهنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین ٥

آج کی صحبت ختم ہو گئی مجھے جو کچھ کہنا تھا۔ وہ میں اختصار کے ساتھ کہہ چکا۔ پھر کہتا ہوں۔ اور بار بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو۔ اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر لا دوں۔ یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمال صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

زباں ز نطق فسرد ماند و از من باقی است
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی است

لکھنؤ کا خطبۂ صدارت

لکھنؤ، ۲۷ر دسمبر۔ آج سہ پہر کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے وکٹوریہ گراؤنڈ میں مسلمانانِ ہند کی کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ہندوستانی مسلمان جن حالات میں سے گزر رہے ہیں۔ ان کے لئے ایک ہی چارۂ کار باقی ہے۔ کہ وہ فرقہ پرستی کو ختم کر دیں اور غیر فرقہ وار سیاسی انجمن یعنی انڈین نیشنل کانگریس میں شریک ہو جائیں۔ اس کانفرنس میں ایک لاکھ مسلمانوں نے شمولیت کی۔ دوپہر کے قریب حضرت مولانا طیارے پر دہلی سے لکھنؤ تشریف لائے ہوائی اڈے پر ہزاروں مسلمانوں نے آپ کا استقبال کیا۔ جن میں ارکان استقبالیہ کمیٹی کے علاوہ بڑے بڑے حکام بھی شامل تھے۔ آل انڈیا ریڈیو کی رپورٹ کے مطابق مجلس احرار کے سرخپوش رضا کاروں نے آپ کا خیر مقدم کیا اور سلامی دی،

حالات بکھرے ہوئے ہیں اور ان حالات نے ہمیں گھیرے میں لے لیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس آب و ہوا میں وہ کونسا رخ ہے جو مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ ہو سکتا ہے۔

یہ سوال میرے سامنے تو کوئی نیا نہیں۔ اس لئے جواب بھی نیا نہیں۔ یہ گتھی بارہا میرے ناخنوں سے چھوتی اور سلجھتی رہی ہے۔ میرا حل پرانا ہے۔ اس حل کو ۳۵ بلکہ ۴۰ برس سے میں آپ کے سامنے رکھتا آیا ہوں۔ آج بھی اس ملک میں وہ لوگ موجود ہیں جو میرے ہم رائے ہیں۔ بڑی تعداد ان عزیزوں کی ہوگی جو مجھ سے اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن حالات کی تبدیلی نے ان کی رائے کا رخ بھی موڑ دیا ہے۔

ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ اپنی پرانی رائے پر قائم ہوں لیکن ان حالات میں جو پیش آچکے ۱۵ اگست سے پہلے کی رائے جو اس وقت ان کے خیال میں صحیح تھی۔ اب کم از کم کاملاً تبدیلی کی مستحق ہے ورنہ نہ تو ہم قومی زندگی کو بچا سکتے ہیں اور نہ ان تعمیروں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جو ہمارے لئے ضروری بلکہ بنیادی ہیں ——— اس بارے میں جو دیر کرتا ہے وہ ملکی بربادی کی اینٹیں چننا اور دیواریں اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ میرا یقین ہے۔ میرا مشاہدہ ہے جیسے میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح یہ بھی دیکھتا ہوں۔ میں پپوٹوں کو بند نہیں کرتا مجھے صاف صاف نظر آرہا ہے کہ اس سے بڑھ کر خطرناک کوئی شے نہیں کہ ہم پرانی

روش پر ٹھہر جائیں ؟ یہ حالات کی پکار ہے کہ جس دروازے سے یہ خطرناک واقعات آئے ہیں وہ دروازہ بند ہو جائے ۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر خرابی کی ذمہ داری لینی چاہیے مگر یہ بہت بڑی ذمہ داری ہو گی ——— !

——— مولانا نے واقعات کی کڑیاں ملاتے ہوئے فرمایا۔ "۱۵۔ اگست کے بعد لیگ کے ذمہ دار افراد مجھ سے ملے ۔ انہوں نے کہا۔ اب مسلم لیگ کی پہلی پالیسی اور ڈھنگ نہیں رہنا چاہئے ۔ وہ مُصر تھے کہ اس کی لیڈرشپ بدل دی جائے۔ اور میں لیگ کی باگ سنبھال لوں ——— لیکن میں نے ان سے کہا۔ میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے دماغ کو اس کے لئے تیار نہیں کر سکتا۔ سوال کسی انجمن۔ اس کے ڈھنگ۔ اس کے مسلک۔ اس کے مشرب اور اس کی لیڈرشپ کے بدلنے کا نہیں یہ ایک، دو، چار، شاخیں اپنی جگہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں ؟ معاملہ اس سے زیادہ گہرا ہے ۔ سوال کو یوں دیکھیے کہ ملک میں ایک انجمن موجود ہے جس کا خمیر فرقہ پرستی سے بنا۔ بنیادیں فرقہ پرستی سے اُٹھیں ۔ دروازوں کے تختے فرقہ پرستی کی چوب سے تیار کیے گئے۔ تاریخ بھی یہیں سے بنی اور روایتی زندگی بھی اسی سانچے میں ڈھلی۔ میری رائے میں کوئی ہاتھ بھی ایسی انجمن کو اس روایتی زندگی سے الگ نہیں کر سکتا۔ فرض کیجیے آپ نے اس کو بدلا۔ لیکن انجمن بھی وہی۔ تاریخ بھی ہمراہ۔ روایات بھی ساتھ۔ خمیر بھی موجود اور روایات بھی سامنے ! میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی اثر ڈالا جا سکتا ہے ۔ میری رائے میں کوئی اثر نہیں ڈالا جا سکتا ——— !

.......اگر آپ چاہتے ہیں کہ آئندہ کے لئے صاف اور دو ٹوک فیصلہ کریں تو کوئی مسلم جماعت جو سیاسی نظام میں فرقہ بندی کی بنا پر ہو قائم نہیں رکھنی چاہیئے پولیٹیکل میدان میں فرقہ پرستی ملک کے لئے زہر قاتل ہے۔ صرف ایسی فرقہ دار جماعتیں ہونی چاہئیں جو مذہبی تعلیمی اور تمدنی معاملات سے متعلق ہوں۔ یہ خانہ ضروری ہے اور اس کو لازماً بھرنا چاہیئے.............

.....میں زیادہ واضح الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں ہندوستان کے آسمان کی اس نیلی چھت کے نیچے فرقہ پرستی کا نظام نہیں رکھنا چاہیئے ——————۔ یہ میرا سوچا سمجھا ہوا مشورہ ہے۔"

آپ نے دہلی کے مشاورتی جلسے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جلسے میں جو غور و خوض کیا گیا۔ اس کے نتیجے آپ کے سامنے آ چکے ہیں مختصراً یہ کہ ملک کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے۔ اور ملک کے مستقبل کی خاطر یہ ضروری ہو گیا ہے۔ کہ فرقہ پرستی جو مذہب کے نام سے ابھاری گئی۔ ملک کی سیاسی زندگی سے نکال دی جائے۔ آج بھی میرا مشورہ یہی ہے۔ آج سے پہلے نہ کر سکے تو یہ حجت نہیں کہ آج بھی نہ کریں...................

.....مسلم لیگ نے ایک مقصد قرار دیا۔ اس کے لئے اپنے اندازوں کے مطابق جد و جہد کی۔ وہ مقصد صحیح تھا یا غلط؟ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا میں اسے آج بھی غلط سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ پہلے سمجھتا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ "ایک وقت تھا۔ جب برٹش گورنمنٹ کا قدم ہمارے اندر تھا۔ اس وقت کی تاریخ پر اجمالی تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے وزارتی مشن اور اس کے بعد کی صورت حالات کا نقشہ کھینچا اور پھر ملک کی تقسیم کے متعلق فرمایا:۔

ظاہر ہے کہ یہ چیز اچھی تھی یا بری۔ بہر حال کانگرس نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ اور یہ فیصلہ ہو گیا۔ یہ کاغذ کا فیصلہ نہ تھا بلکہ اس کو عمل کا پہناوا پہنایا گیا اندریں حالات لوگ جو تقسیم کی جدوجہد کے قائل تھے۔ انہیں ان کا مطمع نظر حاصل ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد انڈین یونین میں مسلم لیگ کے لئے کوئی جگہ نہیں اب اس کا قائم رکھنا غیر ضروری ہے۔

جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں۔ میں لیگ کو ملامت کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اور نہ آج تک میری طبیعت اس قسم کی باتوں کے لئے تیار ہو سکی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ فرقہ پرستی کا دروازہ لیگ نے کھولا۔ اگر یہ دروازہ بند نہ ہوا تو پھر ردعمل کا جو سیلاب بہ نکلا ہے اسے بند لگانا انسانی اختیار سے باہر کی چیز ہو گا۔

خیر جونہی آپ اس نتیجے پہ پہنچ گئے کہ فرقہ پرستی نہیں رہنی چاہئے۔ تو سوال پیدا ہو گا مسلمان کیا کریں؟ ان کے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ غیر فرقہ دار سیاسی انجمنوں میں شامل ہوں جو سب کی ساجھی اور اقتصادی و سیاسی آزادی کی نقیب ہوں۔ آپ کوئی انجمن بھی منتخب کر سکتے ہیں لیکن میرا مشورہ اس

بارے میں یہی ہے کہ آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ وہ سب کے لیے اور سب کی انجمن ہے۔

لاہور کے ایک جلسہ عام میں خطاب

لاہور، ۱۴۔ فروری ۱۹۴۲ء۔ سٹی کمیٹی لاہور کے زیر اہتمام اہالیان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں نہ صرف لاہور بلکہ امرتسر گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ قصور۔ شیخوپورہ اور دیگر نواحی بستیوں کے لوگ بھی امام الہند حضرت مولانا آزاد کی تقریر سننے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حاضرین کی تعداد ۲ لاکھ کے قریب تھی۔ حضرت مولانا نے بین الاقوامی حالات پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ اور حکومت و کانگریس میں سمجھوتہ نہ ہونے کے مدلل اسباب بیان فرمائے۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔

بہنو اور بھائیو! پچھلے برس بھی جاڑے کا موسم تھا۔ کہ میں نے آپ کی صورتوں کو اپنے چاروں طرف پھیلا ہوا پایا اب ۱۳ ماہ سے زیادہ مدت گزر چکی۔ یہ

ہماری معمولی زندگی میں کوئی بڑی مدت نہیں۔ ع

دو کروٹیں لیں عالمِ غفلت میں خواب کی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کے غیبی ہاتھوں نے گھڑیوں کی رفتار تیز کر دی ہے۔ ان تیرہ مہینوں میں دنیا کا نقشہ پرزے پرزے ہو گیا ہے۔ گھڑیوں کی منٹوں کی سوئیاں مہینوں کی رفتار سے چل رہی ہیں۔ اور پتہ نہیں کہ قدرت کا مخفی ہاتھ اب دُنیا کا نقشہ کس صورت میں تیار کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تک کئی دیواریں گر چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ گرنے والی ہیں۔ اس لئے کہہ نہیں سکتے۔ کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے۔ اس عرصہ میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی۔ اور وہ یہ کہ پہلے جہاں ہم موجودہ خونی جنگ میں ایک تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب وہ خونریز جنگ ہمارے دروازوں پہ ہے اس لئے ہم اپنے فرض سے غافل نہیں رہ سکتے"۔

دروازے بند ہو گئے

مولانا نے کہا کہ اڑھائی سال سے یہ کھیل کھلایا جا رہا ہے اس عرصہ میں ہماری پوزیشن کسی سے مخفی نہیں رہی۔ ہم نے ہر قدم پر اپنے فرض کا احساس کیا۔ ہم نے صاف طور پہ اعلان کیا۔ کہ ہماری ہمدردی نازی قوتوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور اتفاقات نے ایسی طاقتوں کو جنگ کی آغوش میں دھکیل دیا جن کے

ساتھ ہماری ہمدردی تھی۔ ہم نے چین اور روس کے ساتھ ہمدردی کا اعلان کیا۔ اور ویسے بھی ہمارا رجحان اسی طرف ہو سکتا ہے۔ جو جمہوریت کا حامی ہو۔ اس لیے ہم نے صاف طور پر کہہ دیا۔ کہ ہم ہندوستان کی حفاظت کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن ہمیں یہ تو بتایا جائے۔ کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ ہمارے گھر کو خطرہ ہے۔ لیکن پہلے ہمیں یہ تو معلوم ہو کہ یہ واقعی ہمارا گھر ہے۔ اور ہمیں اس میں آزادانہ طور پر رہنے کا حق ہے۔ اگر ہمارا گھر پہلے ہی اُجڑ چکا ہے۔ اب ہمیں اس سے کیا ؎

دل میں کیا تھا کہ ترا غم اسے ویران کرتا
وہ جو ہم رکھتے تھے اک حسرت تعمیر سو ہے

مولانا نے کہا۔ کہ ہم نے اس سرزمین میں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا مطالبہ کیا تھا۔ گورنمنٹ نے اس کے راستہ میں روڑے اٹکائے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ لیکن اگر ہم عزت کے ساتھ مرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ تو ہمیں کیا جہنم میں جائیے۔

برٹش گورنمنٹ کی روش

مولانا نے کہا۔ کہ اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کو ہم نے کئی موقعے دیئے لیکن ہمیں ہر وقت ٹال دیا گیا ہے۔ ہماری تمناؤں کو پامال کر دیا گیا۔ آپ

نے دیکھا کہ اس وقت باوجودیکہ ندی کا پانی اس قدر جا چکا ہے کہ شاید واپس نہ آسکے۔ برٹش گورنمنٹ کے رویہ میں کوئی تبدیلی واقعہ نہیں ہوئی۔ اور اس وقت تک برٹش گورنمنٹ پر ایسے لوگوں کا تسلط ہے۔ جن کے دل میں ہندوستان کے لئے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں یہ سب باتیں سنتے سنتے تنگ آگیا ہوں۔ دنیا بدل چلی ہے۔ مگر یہ برطانوی مٹی کی پتلیاں پرانی دنیا کی باتیں کر رہی ہیں۔ آخر اس قدر طویل بکواس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگست کی پیش کش اور بعد کی تقریریں سب بکواس ہیں۔

صرف دو سطروں میں اتنا اعلان کر دینا کافی ہے کہ برطانیہ ہندوستان کو اپنے معاملات کا تصفیہ خود کرنے کا حق دے۔ اسی طرح اسے عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اگر کوئی صاحب دل کے کسی گوشے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ موجودہ برٹش گورنمنٹ یہ تسلیم کرے گی کہ ہندوستان کو موجودہ صورت حالات میں ——

"SELF DETERMINATION." یعنی خود ارادیت

کا حق ہے۔ تو وہ اس خیال کو بالکل نکال دے۔ میں صاف طور پر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ برٹش گورنمنٹ نے ہماری ترقی کے تمام دروازے بند کر دیے ہیں۔ اور اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں۔ کانگرس کو اس کے متعلق پورا تجربہ ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ کانگرس پر یہ شرمناک الزام

لگایا جائے کہ وہ بعض جماعتوں کی حق تلفی کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ کانگرس نے بارہا اعلان کیا ہے۔ کہ وہ کوئی آئین منظور نہیں کر سکتی۔ جو خود ہندوستانی مرتب نہ کریں۔ کانگرس ہندوستان کو خود آئین سازی کا حق دلانا چاہتی ہے اور کانگرس کی باون سالہ زندگی اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ کانگرس سے زیادہ اس امر کے لیئے اور کوئی بھی بیتاب نہیں۔ کہ ہندوستان کو حق آزادی دیا جائے۔

کھلا ہوا راستہ

مولانا آزاد نے کہا۔ کہ میری صدائیں اکثر اخبارات کے اوراق کے ذریعہ آپ کے کانوں سے ٹکراتی رہتی ہے۔ میری خواہش ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں اُتر جائیں اور آپ محسوس کریں۔ کہ انڈین نیشنل کانگرس اس وقت کی ضرورت کا احساس کرتی ہے۔ میں نے اس وقت تک جو گزارش کی وہ محض ایک تمہید تھی۔ اس پیغام کی جو میں آپ کے کانوں تک پہنچا کر آپ کے دلوں کو دستک دینے آیا ہوں۔

وہ عزت کا راستہ ہے۔ خدمت کا راستہ۔ وہ خدمت جو خدا کے لئے کی جائے۔ یہ کانگرس کا نیا تعمیری پروگرام ہے۔ کانگرس کا پرانا تعمیری پروگرام اچھا تھا۔ کاش اس پر مل کر عمل کرتے۔ ہم کہتے تھے کہ ملک کی مصنوعات استعمال

کرو۔ آپ نے نہ سُنا۔ اب سمندر کے راستے مسدود ہو گئے ہیں۔ وہ جہاز جو بدیشی مال لا کر میرے ملک میں پھیلاتے تھے۔ ڈوب چکے۔ اس لئے اب وقت ہے کہ دیہات کی صنعتوں کو فروغ ہو۔

کانگرس کا پروگرام خدمت کا ہے۔ مَیں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا وہ آپ تک صوبہ کانگرس کمیٹیوں کے ذریعہ پہنچ جائے گی۔ مگر آپ کے دلوں کو جھنجوڑ کر واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ جنگ کی خون آشام لہریں ہندوستان کے ساحل سے ٹکرا رہی ہیں۔ میری آنکھیں وہ خون کا نقشہ دیکھ رہی ہیں۔ اس لئے ہم غافل نہیں رہ سکتے۔ جنگ آپ کو پھولوں کے بچھونوں پہ لیٹنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ وہ اپنی لہروں میں تباہیوں بربادیوں سفاکیوں اور ہولناکیوں کا طوفان لاتی ہے۔ اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس نازک موقعہ میں بھائیوں کی امداد کریں اور اس مقصد کے لئے جان بھی دینا پڑے۔ تو مضائقہ نہیں۔

جمعیتِ علمائے اجلاس کی

ایک بصیرت افروز تقریر

لاہور - ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء - آج جمعیت علماء کے اجلاس کے وسیع پنڈال باغ بیرون دہلی دروازہ میں حضرت امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد تقریر کے لئے تشریف لائے۔

آپ نے تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا مزاج اور اس کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔ قدرت نے ہر چیز کے مزاج میں ایک ایسا قانون بنا دیا ہے۔ جو اٹل اور امسٹ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جماعتوں۔ قوموں اور ملکوں کی زندگی کا بھی ایک خاص مزاج اور خاصیت ہے کوئی فتور اور نقص پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ ایک ایسی کیفیت سے ہم آغوش ہوجاتا ہے۔ کہ ہم جسے اپنی اصطلاح میں مرنے کے نام سے تعبیر

کرتے ہیں۔ میں جو چیز بیان کر رہا ہوں وہ ذرا باریک ہے۔ آج ہندوستان جس دور سے گزر رہا ہے وہ وہی ہے۔ جو دنیا کی سینکڑوں قوموں اور ملکوں پر گزر رہا ہے۔ آج سے مراد وہ وقت نہیں ہے۔ جس کو ہم ۲۴ گھنٹے کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب موجودہ دور یعنے عہد حاضر ہے۔ ہم نے تاریخ میں مختلف قوموں کی جو کہانیاں اور قصّے پڑھے ہیں۔ آج وہی واقعات ہم پر گزر رہے ہیں۔

اب ہم دریا کے کنارے نہیں۔ بلکہ دریا کے اندر ہیں۔ ہم دور سے کسی چیز کا نظارہ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ تمام حالات ہم پر طاری ہو رہے ہیں۔ ایک سیلاب ہم کو بہائے لئے جا رہا ہے اور ہم اس ریلے میں بہے چلے جا رہے ہیں لیکن جو شخص ایک مورخ کی حیثیت سے دُور کھڑا ہو کر ہم کو دیکھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نگاہیں صحیح اندازہ لگا سکیں گی۔ کہ ہم کس دور سے گزر رہے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو وقت کے مزاج اور خاصیّت سے محفوظ نہیں کر سکتے۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی ذہانت رکھتا ہو۔ وہ گرد و پیش کے حالات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا ہے۔

آج مسٹر چرچل ایک خاص اثر اور دائرے میں محصور ہے۔ وہ غفلت کے دائرے میں محصور رہے۔ اگر یہی شخص کیمبرج یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہوتا۔ تو وہ گزشتہ تاریخ کو پیش نظر رکھ کر زمانہ حال کے متعلق اپنی رائے قائم کرتا۔ اور

آج وہ جو غلطی کر رہا ہے۔ اس سے بچ جاتا۔ اس کا تجربہ کام نہیں کرتا۔ اس کا دماغ اور عقل دونوں کام کرنے سے محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر آج اسے کسی کالج میں تاریخ کا پروفیسر بنا دیا جائے۔ تو وہ رفتار زمانہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ مرتّب باتیں ہمارے سامنے پیش کرے گا۔

یہ قدرت کے قوانین ہیں۔ موجودہ عہد میں صرف وہی دماغ صحیح طور پر کچھ سوچ اور فکر کر سکتے ہیں۔ جو اپنے کو پانی کے سطح سے اُوپر رکھ کر سانس لے سکیں۔ جو سر کو نیچے کرے گا۔ وہ ڈوب جائے گا۔ آج ہندوستان کی حالت کیا ہے۔ اس پر ڈیڑھ سو برس سے ایک غیر ملکی حکومت مسلط ہے۔ وہ اپنی خود غرضی کے مطابق اس کو چلا رہا ہے۔ اس کا ایک مزاج ہے۔ اور اس کی ایک خاصیّت ہے۔ اس لئے ملک کے اندر جو فضا موجود ہے۔ وہ مسموم اور پراگندہ ہو چکی ہے۔ ہر سانس لینے والا اس زہریلی فضا میں سانس لے رہا ہے تاریخ پُرانی داستانیں دُہرا رہی ہے۔ آپ الگ ہو کر ایک طرف کمرے میں بیٹھ جائیں۔ اور دیکھیں کہ آپ کا دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ اور اس کے پھر غول میں چلے جائیں۔ تو آپ بے ساختہ ہر چیز کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیں گے۔ اچنبے کی بات یہ ہے کہ ہمارے حواس کام نہیں کرتے۔ بیرونی قبضہ ہمیں جس سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ ہم ڈھلتے چلے جا رہے ہیں۔ اس سانچے میں جو ہاتھ کام کر رہا ہے۔ وہ ہڈی اور گوشت کا نہیں۔ بلکہ خاص

اثرات کا ہے۔

اب میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کا نقشہ بتانا چاہتا ہوں۔ میں کل لاہور آیا۔ تو مجھے ۱۹۲۱ء کا زمانہ یاد آ گیا۔ جبکہ میں نے جمعیت العلماء کے جلسہ کی صدارت کی تھی۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت میرے ایمان اور عزم کی جو صورت تھی اس میں اب تک ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہوئی۔ وقت کے تقاضوں سے بعض باتوں میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن جن چیزوں کی بنیاد ایک ٹھوس عقیدے اور حقیقت پر ہو۔ وہ نہیں بدلتے۔ میں نے ۱۸ برس کی عمر میں سوچ سمجھ کر ایک فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ اب تک اس پر قائم ہوں۔ میں آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ میرے سامنے ایک چراغ جل رہا ہے۔ اگر بیس لاکھ انسان بھی مجھے یقین دلائیں۔ کہ چراغ نہیں جل رہا۔ تو میں ایک مستقل حقیقت سے آنکھوں کو بند کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

ہندوستان غیر ملکی اقتدار کے پنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ اس میں مختلف حصے اور قومیں آباد ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان ہونے کے مستقبل کے متعلق بھی جملہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ یہاں پر ٹہنیوں اور پھلوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ مگر اصل چیز جڑ ہے۔ میں آنے والے زمانے کو کمزوری اور تذبذب سے نہیں دیکھتا۔ بلکہ عزم، ہمت اور حوصلے سے دیکھ رہا ہوں جو قوم اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہ ہو۔ اس کو تحفظات نہیں بچا سکتے۔ کاغذوں کے پرزوں پر

لکھے ہوئے قانون تمہیں محفوظ نہیں کر سکتے سب سے پہلے آپ اپنے اور پاؤں کی نسوں کو مضبوط کرو۔ میں ۲۸ برس سے یہ آواز بلند کر رہا ہوں۔ لیکن سننے والے کان میں کہاں سے لاؤں۔

مسلمانوں کی تعداد ۹ کروڑ ہے۔ اگر ۹ کروڑ کے بجائے مسلمان ۹ لاکھ بھی ہوتے اور ان کے دل میں یہ خیال ہوتا کہ وہ مرنے کے لئے نہیں زندہ رہنے کے لئے ہیں۔ تو کوئی قوم ان کو نہیں مٹا سکتی۔ میری جگہ کمزوری اور تذبذب کی نہیں ہے۔ بلکہ یقین اور ایمان کی ہے۔ ۹ کروڑ ہوتے ہوئے اگر تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ تم فنا ہو جاؤ گے۔ مٹ جاؤ گے۔ تو اس کا کیا علاج ۹ کروڑ لاشوں کو کوئی تحفظ اور کوئی دستور نہیں بچا سکتا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ انگریز بہادر بچا سکتا ہے۔ تو وہ بھی نہیں بچا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں تو جب وہ اپنا بوریا بستر باندھے جیسے کہ اب بندھ چکا ہے۔ تو اس کو کوٹ سے ہاتھ ڈال کر پکڑنا اور روک لینا دنیا میں صرف تعداد ہی نہیں بلکہ دوسری چیزیں بھی کام آتی ہیں۔ میرے سینے میں ایک انگیٹھی دہک رہی ہے۔ میں وہی حرارت آپ کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہوں میرا ایمان اور میرا اسلام مجھے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ ان حالات میں میرے لئے صرف ایک فرض رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انگریزوں کی حکومت کے خلاف جو چولہا دہک رہا ہے۔ اس میں لکڑیاں ڈال دوں۔ میں کوئی ایسا سوال اٹھانا نہیں چاہتا۔ جس سے تیسری طاقت کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ دنیا میں وہی بچتا ہے۔

جس کے پاؤں کی نسیں مضبوط ہوں؎

گر گفتۂ نہ عشق گہے حرف آشنا

آں ہم حکایتست کہ از ما شنیدۂ

میں آپ کو آیندہ نقشوں کے بھرنے سے نہیں روکتا۔ آل انڈیا کانگریس کی صدارت کے دو برس میں میں نے جو کوششیں کیں اور مسلمانوں کے لیڈروں نے جس طرح ٹھکرایا۔ ان کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن جڑ کی چیز یہ نقشہ نہیں درخت کو جڑ کی ضرورت ہے۔ آپ اس ابتدائی مقدمہ اور اصول کو سمجھ لیں اور سینکڑوں سوالات حل ہو جائیں گے۔ میری تمام عمر کا سرمایہ یہی ہے کہ تم محبت بھرے دل سے میری بات سنتے ہو اور عزت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہو۔

ایک انقلاب آفریں پیغام

لوگ دنیا میں سینکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں۔ ماں باپ کے محکوم ہیں۔ دوست واحباب کے محکوم ہیں۔ استاد و مرشد کے محکوم ہیں۔ امیروں، حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آئے تھے۔ مگر دنیا نے ان کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں۔

لیکن مومن و مسلم ہستی وہ ہے۔ جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے۔ اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے۔ مگر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تلقین

کی گئی ہے۔ وہ اپنے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے ادب آموز حقیقی نے اسے ایسا ہی تبلایا ہے۔ وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے۔ وہ دُنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا ہے جو اس کے آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیونکہ اسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کرتا۔ کہ ان سب کے اندر کوئی حکم ماننا اور ان کو جھکنے کی جگہ سمجھتا ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ اطاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے۔ اور حکم صرف ایک ہی کا ہے جب اس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا۔ تو ضرور ہے کہ خدا کے لئے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے۔

بس فی الحقیقت اس دنیا میں ہر انسان کے لئے بے شمار حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں۔ لیکن مومن کے لئے صرف ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے اور صرف اسی کو مانتا ہے۔ اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے۔ اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے۔ اور اس لئے دل کی خریداری کے لئے بھی ایک ہی خریدار ہے۔ وہ اگر دنیا کی کسی ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے۔ تو صرف اسی ایک کے لئے اس لئے اس کی بہت سی اطاعتیں بھی، اس ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بدان آستاں رسد

حضرت یوسف علیہ السّلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا؟

ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار (۱۲)

(۳۹) بہت سے معبود بنا لینا بہتر ہے؟ ایک ہی قہار اور مقتدر خدا کو پوجنا؟

یہی وہ خلاصۂ ایمان و اسلام ہے۔ جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآن کریم نے تعلیم دی ہے کہ:

ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ۔

(" تمام جہان میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں۔ اور نہ کسی کو اپنا معبود بنائیں ")

یہی دین قیم ہے۔ جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

حدیث صحیح ہے کہ فرمایا:۔

لاطاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق (بخاری مسلم)

"جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو۔ اس میں کسی بندے کی

فرمانبرداری نہ کرو"

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت ان تمام ماسوائے اللہ اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد و حرکامل بنا دیا۔ جن کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں بوجھل ہو رہے تھے۔ اور اس ایک ہی جملہ میں انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا دی۔ کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے۔ اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصویر ہے۔ اس تعلیم الہیٰ نے بتلا دیا ہے۔ کہ جتنی اطاعتیں۔ جتنی فرمانبرداریاں۔ جتنی وفاداریاں۔ اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراضات ہے۔ صرف اسی وقت تک کے لئے ہے۔ جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو۔ اور دنیا والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت کے آگے بغاوت نہ ہوتی ہو۔ لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جائے۔ کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آ پڑے۔ تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع اور تمام دوستوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے۔ اور نہ بادشاہ بادشاہ۔ نہ باپ باپ ہے نہ بھائی بھائی۔ سب کے آگے بمزد سب کے ساتھ انکار رسب کے سامنے سرکشی۔ سب کے ساتھ بغاوت ہا پہلے جس قدر نرمی تھی۔ اتنی ہی اب سختی چاہیئے۔ پہلے جس قدر فرمانبرداری

تھی۔ اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے پہلے جس قدر جھکاؤ تھا۔ اتنا ہی اب غرور ہے۔ کیونکہ رشتے کٹ گئے اور عہد توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ دراصل ایک ہی تھا۔ اور یہ سب رشتے اسی ایک رشتے کی خاطر تھے۔ حکم ایک ہی کا تھا اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک اطاعت کے لئے تھیں۔ جب ان کے ماننے میں اس سے انکار اور ان کی وفاداری میں اس سے بغاوت ہونے لگی۔ تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا۔ اسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا۔ اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا۔ اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا۔

سرورِ کائنات اور سیّد المرسلین (صلعم) سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے؟ لیکن خود اس نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی۔ تو فرمایا کہ میری اطاعت تم پر اس وقت تک کے لئے واجب ہے۔ جب تک میں تم کو نیکی کا حکم دوں۔ جب اسی شہنشاہ کونین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی و معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دنیا میں کون بادشاہ۔ کون سی حکومت کون سا پیشوا کون سے رہنما اور کونسی قومیں ایسی ہو سکتی ہیں۔ جن کی اطاعت ظلم کے بعد بھی ہمارے لئے باقی ہے۔

آدم کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک سے ملے گی دوسرے کو چھوڑے گی۔ ایک سے جڑے گی۔ دوسرے سے کٹے گی۔ پھر خدارا مجھے بتاؤ۔ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا۔ اور کس سے ملے گا؟ ایک ملک کے دو

بادشاہ نہیں ہو سکتے ایک باقی رہے گا۔ ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر مجھے بتاؤ۔ کہ مومن کی اقلیم کس کی بادشاہت قبول کرے گی۔ کیا وہ اس سے ملے گا۔ جس کی حالت یہ ہے۔

وَ یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل (۲۵۰۲)

"خدا نے جس کو جوڑنے اور ملانے کا حکم دیا ہے۔ وہ اسے توڑتے اور جدا کرتے ہیں"

اور کیا اس کی بادشاہت سے گردن موڑے گا۔ جو پکارتا ہے۔ کہ

یا ایھا الانسان ما غرکَ بربکُ الکریم۔ (۸۲ ۶)

"اے غافل انسان کیا ہے۔ جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنے والے آقا سے سرکش بنا دیا ہے؟ مگر آہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثمّ یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (۲۱۲)

تم اس شہنشاہ حقیقی کی حکومت سے کیونکر انکار کرو گے جس نے تمہیں اس وقت زندہ کیا۔ جب کہ تم مردہ تھے۔ وہ تم پر پھر موت طاری کرے گا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا۔ پھر تم سب اسی کے پاس بلائے جاؤ گے۔

دنیا اور اس کی بادشاہیاں کافی ہیں۔ ان کے جبروت و جلال کو ایک دن ملتا ہے۔ خدائے منتقم و قہار کے بھیجے ہوئے فرشتہ ہائے عذاب انقلاب

و تغیرات کے حربے بے کار ثابت ہونے والے ہیں۔ ان کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ ان کی تلواریں کند ہو جائیں گی۔ ان کی فوجیں ہلاک ہو جائیں گی۔ ان کی توپیں ان کو پناہ نہ دیں گی۔ ان کے خزانے ان کے کام نہ آئیں گے۔ ان کی طاقتیں نیست و نابود کر دی جائیں گی۔ ان کا تاج غرور ان کے سر سے اُتر جائے گا۔ ان کا تخت جلال و عظمت واژگوں نظر آئے گا۔

خطبۂ عیدالضحیٰ

میدان میں عیدالضحیٰ کا اجتماع الحمد للہ عید الفطر سے کہیں زیادہ تھا۔ بلکہ شاید یہ پہلا موقع ہے۔ کہ میدان عیدین میں اتنا بڑا اجتماع کبھی ہوا ہو۔ کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ کتنے آدمی تھے۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا جو موجیں مار رہا تھا۔ یا انسانی سروں کا جنگل تھا۔ جو حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ نماز کے بعد مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اُسے ذیل میں اخبار روزنامہ ہند کلکتہ سے درج کرتے ہیں۔ یہ خطبہ ریڈیو کے ذریعے ہندوستان بھر میں سنا گیا ہے۔ خطبہ مسنونہ اور انجمن تبلیغ اسلام کلکتہ کی اسلامی خدمات کی تعریف و تعارف کے بعد فرمایا۔ پہلے میری آواز اس میدان میں ایک محدود حلقہ تک پہنچتی تھی۔ گزشتہ چند سالوں سے پورے میدان میں انجمن کی مساعی اور سائنس کی ایک

مفید ایجاد کے امداد سے پہونچنے لگی۔ لیکن اس مرتبہ جیسا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے۔ میری آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہی ہے۔ بلکہ اس مرتبہ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا ہے۔ کہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کی موجیں اور صحرائے عرب کے بگولے بھی میری آواز نہیں روک رہے ہیں۔ بمبئی کلکتہ سے تیرہ سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ پشاور پندرہ سو میل دُور ہے۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ تمہارے کانوں سے تمہاری دل کی دُنیا کتنی دُور ہے؟ میری آواز تمہارے کانوں کے پردے سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے۔ اور دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ وہ دل جس پر تم نے قفل چڑھائے ہیں۔ حالانکہ میرے مخاطب تمہارے کان نہیں بلکہ تمہارے دل ہیں۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں والد مرحوم کی موجودگی میں سب سے پہلے اس مقام سے اسی منبر پر سے میری ایک ہی آواز، جو حقیقت کی آواز ہے۔ بلند ہوئی اور آج ۱۹۳۶ء میں پورے تیس برس کا قرن جبکہ گزر چکا ہے۔ باستثنا چند سالوں کے جب کہ وقت کے اہم اور ملک کی نازک صورتِ حال نے جبراً مجھے کلکتہ سے دُور و معذور رکھا تھا۔ میں اُسی حقیقت کا اعادہ کرتا رہا ہوں۔ اور تمہیں توجہ دلاتا رہا ہوں لیکن تم نے اب تک میری ایک بات نہ سنی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہارے دل کا نام نہیں لیتا، تمہارے کانوں تک اپنی صدائیں پہنچاتا ہوں۔ کیونکہ تم نے اپنے دلوں پہ غفلتوں کے اتنے پردے ڈال لئے ہیں اور امتیاز و عرفان کے اس

مرکز پر اتنے قفل چڑھا لئے ہیں۔ کہ اس دل کو وہی دل جسے تم آج عید کے پُر تکلف کپڑوں میں چھپائے بیٹھے ہو۔ مخاطب نہیں کر سکتا۔ جانتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری بات ٹھکرائی ہے۔ لیکن تم میری بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میری بات سے انکار، حقیقت سے انکار ہے اور تم حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تم نے میری بات سے انکار کرکے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں سراسر حقیقت ہے۔ تم نے میری بات سے انکار کرکے اپنی اجتماعی عزت کو صدمہ پہنچایا۔ حقیقت سے انکار کرکے کوئی شخص کسی طرح کی عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ سن رکھو کہ حقیقت میرے ساتھ ہے۔ حقیقت میری آواز ہے اور وہ کسی طرح ٹھکرائی نہیں جا سکتی۔ تم نے صبح شباب ایک بات نہ سنی۔ تم نے میرے دورِ جوانی کی گفتگو نہ سنی۔ کیا اب شام زندگی کی نصیحت بھی نہ مانو گے؟ جس حقیقت کو ایک مدت سے میں تمہارے سامنے رکھتا آیا ہوں۔ آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہوں اور کیا اتنے بڑے انسانی ہجوم میں چند انسان بھی ایسے نہیں جن کے دلوں کی صلاحیت اس حقیقت کو قبول کر سکے۔ میں پورے تیس برس کے غور و فکر کے بعد جس کی کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزری کہ میں نے پوری توجہ اور پوری دلسوزی کے ساتھ غور و فکر نہ کیا ہو۔ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و صلاح بجز اس کے کسی دوسرے معاملات پر موقوف نہیں ہے۔ جو قرآن کے ہر صفحہ پر لکھا ہوا تم دیکھو گے۔

اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ اور یہی وہ مسائل ایسے مسئلے ہیں جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم نے اسی مسئلہ پر سب سے زیادہ زور دیا۔ سب سے زیادہ تاکید کی۔ مگر آج انہی دونوں مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ سب سے زیادہ غفلت۔ وہ غفلت جو انکار تو نہیں لیکن قریب انکار تو ضرور ہے۔ اسی غفلت کی نذر کر دیا ہے۔ حالانکہ کفر و اسلام کے امتیاز کے سلسلہ میں بھی اسی نماز و زکوٰۃ کو معیار قرار دیا گیا۔ فرمایا فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین وہ اگر پچھلی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ کی پابندی کا اقرار کریں۔ تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرط اسلام، انحصار و مدار اسلام نیک عملی کے ساتھ مشروط ہے۔ قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے ـــــــ غور کرو گے۔ تو خود سمجھو گے کہ اسلامی اعمال و احکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد سے خود انہی کے مفاد کے لئے چاہتا ہے۔ کہ ان کا ہر عمل اجتماعی ہو۔ اس لئے فرض قرار دیا گیا کہ نماز ہر مسلمان باستثنائے حالت مجبوری ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرے اگر مشاغل معاش و ذرائع روزی مخل ہوں۔ تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک وقت کی نماز ضرور ہر مسلمان جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے۔ مسلمان کی زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے ادا کی جائے۔ کچھ پروا نہیں اگر پورے شہر کی تنظیم نہیں ہو سکتی اور میں آج اس غلط فہمی کی بھی تردید کر دوں۔ جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جارہی ہیں کہ اس کے لئے امارت کی شرط ہے۔ امارت کی قطعاً کوئی شرط نہیں ہے۔ البتہ وہ ایک اولیٰ صورت ہے۔ لیکن اگر امارت حالات کے تقاضا یا ماحول کے اثر سے بعید الامکان یا ناممکن ہے۔ تو اس چیز کو جائز یا ناجائز بہانہ پر اللہ کے ایک واضح صریح اور تاکیدی حکم میں لیت ولعل حیل وحجت یقیناً قابل سخت مواخذہ، قابل سخت وعید ہے۔ جو لوگ فرداً فرداً زکاۃ اپنے طور پر ادا کرتے ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ درست نہیں ہے۔ اور آج میں ایک قدم آگے بڑھتا ہوں۔ اور اس ممبر پر سے اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں۔ کہ صرف یہی نہیں کہ یہ زکاۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے۔ درست نہیں ہے۔ بلکہ صحیح اور واضح ہے کہ وہ زکاۃ ہی نہیں ہے۔ اُسے کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے۔ زکوٰۃ کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

پس جب تک تم بحیثیت مسلمان اجتماعی طور پر قرآن کے حکم اور منشائے فطرت کے ماتحت اپنے اعمال خصوصاً نماز و زکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں

کرتے ۔ تم سے وہ تمام دینی برکات اور وعدے جن کی تم کو تلاش ہے ہمیشہ تم سے دور رہیں گے اور جس روز تم نے اجتماعی شکل اور اعمال میں اجتماعی حسن نظام پیدا کر لیا یقین کرو کہ چھینی ہوئی تمام دولت تم کو پھر سونپ دی جائے گی۔

میں تم سے آج پھر تاکید کرتا ہوں کہ اپنے اعمال میں اجتماعیت کی صورت پیدا کرو۔ اور ہر ہر قصبہ و محلہ میں کم سے کم پانچ آدمیوں کی ایک جماعت بنا لو۔ کچھ بھی نہیں صرف پانچ ہوز کاۃ کی تحصیل و تنظیم کرے۔ اور اسے پوری ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ صرف کرے۔ تم دیکھو گے کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تمہاری کمیٹی کا ممبر بن جائے گا۔ اور یہ ایک قابل تقلید نمونہ بن جائے گا۔ جس پر عامل ہو کر خیر و برکت کے متلاشی اپنی سعادتوں اور گمشدہ متاع و دولت و حشمت ڈھونڈیں گے کیا تم میں ایسے پانچ دل بھی نہیں ہیں۔ جو میری بات بگوشِ دل سُن سکیں ؟

یاد رکھو! محض فکری وسائل سے تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بنیادی چیز جس کو تم نے اپنے غفلتوں اور گمراہیوں کی نذر کر دیا ہے۔ یعنی عمل اور عمل اجتماعی جب تک اس پر استوار اور مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں ہوتے۔ تم کو اس وقت تک کھویا ہوا وقار یا چھینی ہوئی دولت واپس نہیں ہو سکتی۔ فکری وسائل کو محض دماغ کے اندرونی رنگ و روغن سمجھو۔ باہر کا رنگ و روغن جب ہی پیدا ہو گا۔ جب جڑ اور بنیاد مضبوط رکھو گے۔ تم کسی درخت

کو ہرا بھرا سبز و شاداب رکھنے کے لیے شاخوں اور پتوں میں پانی ڈالوگے تو درخت ہرگز سرسبز نہ ہوگا۔ البتہ اگر تم جڑ میں پانی دوگے۔ اس کو ہرا بھرا رکھوگے۔ تو تمام درخت سبز و شاداب اور بارآور رہے گا۔

لہٰذا اگر تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کی واپسی کی کھوج میں ہو۔ اگر تم موجودہ پستی سے بام رفعت پر دوبارہ پہنچنا چاہتے ہو۔ تو جڑ بنیاد اور اصل کی شادابی کی فکر کرو۔ یعنی اپنی نمازوں پر استوار ہوجاؤ۔ اور اجتماعی شکل میں زکوٰۃ کی تنظیم و تقسیم پر قائم و عامل ہو۔ کہ یہی دونوں اصل و بنیاد ہیں اور انہی پر مضبوطی کے ساتھ قائم و عامل ہونے پر کھوئی ہوئی دولت کی واپسی کا مدار۔

ھذا و ان احسن الکلام کلام اللہ الملک العلام فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ واولٓئک ھم المفلحون ؀

فلسفۂ زکوٰۃ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی کِتَابِہِ الْمُبِیْن۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ
وَالْمَسَاکِیْنِ۔ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ
وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ۔ وَفِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔
فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

(ترجمہ)

صدقہ کا مال (یعنی مال زکواۃ) تو کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ صرف فقیروں کے لئے ہے اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان کے لئے جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کے رجادیں۔ اور وہ کہ ان کے دلوں میں (کلمۂ حق کی) الفت

پیدا کرتی ہے۔ اور وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہیں۔
(اور ان کو آزاد کرانا ہے)

نیز قرض داروں کے لئے (جو بوجھ سے دب گئے ہوں اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں (اور اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے اور ان تمام کاموں کے لئے جو مثل جہاد کے اعلاء کلمۂ حق کے لئے ہوں) اور مسافروں کے لئے (جو اپنے گھر نہ پہنچ نہ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں) اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا۔ (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

یہ آیت مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ بعض مہمات واضح کر دئے جائیں۔

تشریح مصارف زکوٰۃ

(۱) فقیر اور مسکین (۲) ہم نے ترجمہ میں۔ فقرا اور مساکین کے لئے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کئے کیونکہ عربی میں "فقر" اور مسکنت سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں۔ اور ضروری ہے۔ کہ ان کی لغوی نوعیت برقرار رکھی جائے۔

"فقیر اور مسکین" دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں۔ جو محتاج ہوں لیکن

فقر عام ہے۔ اور مسکنت کی حالت خاص ہے۔ فقیر اسے کہینگے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لئے کچھ بھی نہیں۔ لیکن مسکین وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی۔ مگر پہنچ جائیگی۔ اگر خبر گیری نہ کی جائے مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں یا وسائل معیشت کا انتظام نہیں کر سکتے ان کے جسم پر اچھلے کپڑے ابھی باقی ہیں گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے گا ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے۔ پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے۔ لیکن پھر اس کے بعد تو کوئی وسیلۂ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔

"فقیر" اور "مسکین" میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے۔ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا۔ لیکن مسکین کو اس کی خودداری اور عزتِ نفس طلب و احتیاج کی اجازت نہیں دیتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے۔ "الذی لَا یَجِدُ غِنیً یُغْنِیہِ وَلا یفطن فیُتصدّقُ عَلَیْہِ وَلا یقوم فیسئال النَّاس ط" جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کر دیں۔ جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں۔ جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور پھر اسی حدیث میں سورۃ بقرہ آیت ۲۷۳ کی

طرف اشارہ فرمایا کہ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًاؕ ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ مگر تم انہیں کے چہروں سے پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایسے علماء دین جو سورۃ بقر کی آیت متذکرہ صدر کے مصداق ہوں کہ اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لئے وقف ہوگئے ہوں اور فکر معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکیں مساکین میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصولِ زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو۔ مایحتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں۔ اور کسی حال میں خود سائل و ساعی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمت دین و امت کے لئے وقف ہو جائیں اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔ قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہوں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں لیکن؟ نہ تو نوکری ہی ملتی ہے نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے یقیناً مساکین میں داخل ہیں۔ اور اس مد کے اولین مستحق ہیں۔ لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیئے کہ ان کی خبرگیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔

یہ بات نہ صرف ان کی اعانت میں بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیئے۔ ایسے افراد جو خوشحال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں۔ اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہوں حکماً مساکین میں داخل ہیں۔ اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبرگیری کی جائے۔

۲ : ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے۔ یا یہ ہے کہ خرچ انہی میں کی جا سکتی ہے۔ جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو۔ اس میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہا نے اختلاف کیا۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بیک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔ اور یہی مذہب قرآن اور سنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے۔ ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف گئے ہیں۔

۳ : یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کئے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائیگا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہی کی اعانت ہے۔ یعنی فقراء اور مساکین پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی

کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا۔ اس لئے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی تھی۔ پس دوسری جگہ پائی یعنی العاملین علیہا پھر المؤلفۃ قلوبہم کا درجہ ہوا۔ کہ دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لئے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے، قرضداروں کو بارِ قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتاً موقّت اور محدود تھے پھر فی سبیل اللّٰہ کا مقصد رکھا گیا۔ کہ اگر مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں۔ یا مقتضیاتِ وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو تو ایک جامع اور حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں۔ سب کے آخر میں ابن السبیل کی جگہ ہوئی۔ کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا تھا۔

۴: قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہِ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لئے ہوں سبیل اللّٰہ کے کام ہیں۔ اور چونکہ حفظ و صیانت امت کا سب سے ضروری کام دفاع ہے۔ اس لئے زیادہ تر اطلاق اس پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مدِّ زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ ورنہ دین و امت

کے عام مصالح میں۔ مثلاً قرآن اور علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت میں۔ مدارس کے اجرار وقیام میں۔ دعاۃ المبلغین کے قیام وترسیل میں۔ ہدایت وارشادِ امت کے تمام مفید وسائل میں (فقہار مفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے! اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کردیا کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیراتِ خیریہ بھی اس میں داخل کردیں وَقِیْلَ اِنَّ اللَّفْظَ عَامٌّ فَلَا یَجُوْزُ قَصْرُهٗ عَلٰی نَوْعٍ خَاصٍّ وَیَدْخُلُ فِیْهِ جَمِیْعُ وُجُوْهِ الْخَیْرِ مِنْ تَکْفِیْنِ الْمَوْتٰی وَبِنَاءِ الْجُسُوْرِ وَالْحُصُوْنِ وَعِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ وَغَیْرِ ذَالِكَ (نیل الاوطار) فقہار حنفیہ میں سے صاحب فتاویٰ ظہیریہ لکھتے ہیں۔ اَلْمُرَادُ طَلَبَةُ الْعِلْمِ اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی اور خیرات کے لیے ہوں۔ اس میں داخل ہیں۔

۵: دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجین کی اعانت اور ابنار جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادۃ کا لازمی جزو نہ قرار دے دیا ہو! لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے۔ کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کردیا۔ جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کرکے سال بہ سال ادا کرنا چاہیئے اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا۔ اور قرآن نے ہر جگہ دونوں

عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی۔ کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ۔ اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ (متفق علیہ) بلاشبہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دیدو بلکہ کہا سب کچھ دے دو۔ لیکن چونکہ اسلام کی طرح معیّن نظم قائم نہیں کیا۔ اس لئے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک اعلیٰ مقام بن کر رہ گئی اور مسیحیت کے صدرِ اول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی)، کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آسکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو ونما پایا ہو۔

۶ : پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے۔ یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لئے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لئے قرار دی گئی۔ اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ تاکہ ایسا نہ ہو مال و دولت صرف دولتمندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے (۲۸ پ) یعنی زکوٰۃ کا مقصد

یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے سب میں بٹے کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکیداری نہ ہو جائے - اور اسی سورۃ توبہ کی آیت ۳۴ میں گزر چکا ہے - وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو!

اور حدیث بعث معاذ رضی اللہ عنہ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا ہے - کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فُقَرَائِهِمْ (رواہ الجماعۃ) ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے - اور پھر ان کے محتاج افراد میں لٹائی جائے -

قرآن اور احتکار و اکتناز: ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے - بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے - اور زیادہ سے زیادہ افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو - یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثہ کے لئے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی

فرد کے قبضہ میں رہے۔ جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اس کی دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل گئی اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اسے بانٹتے پھیلاتے رہیں گے۔ اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ (۲۷۶) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے۔ خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے۔ یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ جس قوم میں سود کا جذبہ ابھریگا اس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے۔ جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھریگا اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا۔ اور اس لئے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا کہ جو لوگ اس پر مصر رہیں گے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۲۷۹) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و انقیاد کا معیار قرار دیا جاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ صورت بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲۶۹) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دے دینا

کھونا نہیں ہے پانا ہے۔ بہت دقیق بات ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔
جو صاحب حکمت ہیں اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی تو اس نے بڑی
سے بڑی بھلائی پائی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابْ قرآن
نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے اس کے معارف و دقائق بے شمار
ہیں۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں اور پھر طبیعت
نے گوارا نہیں کیا کہ قلم زد کر دی جائیں۔

۷: قرآن و سنت کی تعلیمات اور صحابہؓ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے
بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی
نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار و اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں
نہیں ہے "احتکار" یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا "اکتناز"
یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اس نے
سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے۔
اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں۔ تو ایک
ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑپتی ہوں گے
نہ مفلس و محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے
گی۔ بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و
کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا ہی زیادہ کمائے

گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہو گا۔ اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی۔ اتنی ہی زیادہ جماعت بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ لیکن صرف اپنے لئے ہی نہیں کمائیں گے۔ تمام افرادِ قوم کے لئے کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقات کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے۔ جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔

۸: اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکامِ قرآنی کے مطابق کر لیں تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

۹: لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکامِ قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے۔ یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

مومنین کے اوصاف و مدارج!

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاکِعُوْن السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ۝

ترجمہ: توبہ کرنے والے عبادت میں سرگرم رہنے والے سیر و سیاحت کرنے والے۔ رکوع و سجود میں جھکنے والے، بڑائی سے روکنے والے۔ اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے۔

مندرجہ بالا آیت مہمات معارف میں سے ہے۔ فرمایا سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ:

ا۔ اَلتَّائِبُوْنَ۔ یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں۔ اور

ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں۔

(ب) العَابِدُوْن: یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور اُن کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں۔ عبادت سے مقصود عبادتِ خاص بھی ہے۔ اور عام بھی۔ خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دینِ حق نے قرار دے دی ہے۔ اسے پُورے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے۔ عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے۔ اور پھر وہ جو کچھ بھی سُنے۔ جو کچھ بھی کہے۔ جو کچھ بھی کرے۔ سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو۔

(ج) الحامدون: یعنی وہ جو اپنی فکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد اور ستائش کرنے والے ہیں۔ فکر سے حمد و ستائش یہ ہوتی ہے۔ کہ بحکم

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳: ۹۱) آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرنا۔ اور اُن تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محبوبیت و جمال پر دلالت کرتی ہے۔ قول سے حمد و ستائش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جس ہستی کی محبوبیت دل و دماغ میں بس جاوے گی۔ ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اس کی حمد و ثنا کے ترانے نکلنے لگیں۔

(د) السَّائِحُوْن: وہ جو حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ یعنی بحکم

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض (۳: ۱۳۷)
زمین میں عبرت و نظر کے لیے گردش کرتے ہیں۔ علم کی ڈھونڈ میں نکلتے ہیں۔ راہِ حق میں جد و جہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں۔ حج کے لئے خشکی و تری کی مسافتیں طے کرتے ہیں۔

الرکعون السّاجدون: وہ جو اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور رکوع و سجود کی حالت جسم پر طاری ہوتی ہے اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے۔

الامرون بالمعروف و النّاھون عن المنکر:۔
وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائیوں سے روکتے ہیں یعنی صرف اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں کو بھی اصلاح کرنے اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

الحافظُون لحدُوُدَ اللہ: یہ آخری وصف اور آخری مقام ہوا۔ یعنی وہ جو اِن تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ جو اللہ نے انسان کے لئے ٹھہرا دی ہیں۔ قرآن کی اصلاح یہ ہے۔ کہ تمام واجبات و حقوق کو خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ خواہ جماعت سے۔ وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی یہ حدیں ہیں۔ جو مقرر کر دی گئی ہیں۔ ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن و سعادت کی بنیادوں کو ٹوٹ جانا ہے۔

یہ کل سات وصف ہوئے اور جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں۔ وہ قابل غور ہے۔ یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے لئے سات درجے ہیں یا سات طبقے ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں۔

جب کوئی انسان راستی وہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا۔ تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ وانابت کا ہی ہوگا۔ یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے خواہ وہ کفر کی ہوں، خواہ اتفاق کی۔ خواہ معاصی و ولالت کی باز آئے گا۔ اور آئندہ کے لئے اُن سے بچنے کے لئے عہد کرے گا۔ اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہوجائیگا۔ اور یہی توبہ کی حقیقت ہے پھر اگر توبہ سچی ہوگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی بندگی و نیازمندی کی سرگرمی پیدا ہوجائے۔ پس یہ دوسری منزل ہوئی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ۔ پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہوجائے۔ اور ملکوت السمٰوات و الارض کے مشاہدہ فطرت کا دروازہ کھل جائے۔ اس لئے تیسری منزل تحمید و تسبیح کی منزل ہوئی یعنی اللہ کی حمد و ثنا کے جوش سے معمور ہوجانے کی منزل کہ ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا۔ پھر اگر توبہ وانابت کا تنبہ، عبادت کا ذوق، اور تحمید و تسبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے تو ممکن نہیں کہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے۔ ضروری ہے وطن

و مکان کی اُلفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں

پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا طبقہ چوتھا طبقہ ہوا۔

ان چار منزلوں سے جو کاروانِ عمل گزر گیا۔ اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کر لی۔ پس اب پانچویں منزل الراکعون الساجدون کی ہوئی یعنی بندگی و نیاز مندی میں پورے ہو گئے۔ اور اللہ کے آگے سرِ نیاز ہمیشہ کے لئے جھک گیا۔ اب الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر کا مقام انہیں حاصل ہو جائیگا۔ یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لئے معلّم و مربّی ہو جائیں گے۔ چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی۔ اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے۔ کہ الحافظون لحدود اللّٰہ کا مقام ہے۔ یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدودِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت کرتے ہیں۔ اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ نیک مقصد سے سیر و سیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے اور ان اعمال میں سے ہے۔ جن کے ذریعے سے وہ ایمان کے مدارج طے کرتے اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس سُرعت کے ساتھ دورِ اوّل کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے۔ اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور جب تک اسلام کی عملی رُوح زندہ رہی ان سے

بڑھ کر زمینی مسافتیں طے کرنے والی کوئی قوم نہ تھی۔ وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے۔ اور فی الحقیقت سیاحت نہ صرف ایک تنہا عبادت ہے۔ بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ گھر بار چھوڑنا۔ عزیز و اقارب کی جدائی برداشت کرنا۔ سفر کی مشقتوں میں پڑنا۔ قدم قدم مال خرچ کرنا۔ آب و ہوا کی ناموافقت۔ اجنبیوں سے محبت و معاملت اور پھر ان تمام موانع و مشکلات میں عزم و عمل کا استوار رہنا۔ ایثار و تحمل سے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ عمل انجام پاتا ہے۔

سورہ تحریم میں یہی وصف عورتوں کے لئے بھی فرمایا۔ مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات (۵:۶۶) اللہ کی فرمانبردار۔ برائیوں سے پرہیز کرنے والیاں۔ عبادت گزار۔ سیاحت میں سرگرم اور روایات سے ثابت ہے کہ نہ صرف صحابہ کرام کی بیویاں بلکہ پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات بھی جنگ میں نکلتی تھیں۔ اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں۔ بعد کو اس بارہ میں جو حال رہا وہ شرح بیان سے مستغنی ہے۔

بعضوں کو اس پر تعجب ہوا۔ کہ سیر و سیاحت کا شمار بھی خصائص ایمانی میں ہو۔ اس لئے السَّائِحُونَ اور السَّائِحَات کے لغوی اور مصطلحہ معنی سے گریز کرنے لگے۔ لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے۔ قرآن حکیم نے ہجرت کو ایمان کا بہترین عمل قرار دیا ہے جو گھر بار چھوڑ کر نکلتا ہے۔ اور

جہاد فی سبیل اللہ کیلئے فرمایا۔

اَنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا (۹: ۴۱) اور حج ہر مستطیع مسلمان پر مرد ہو یا عورت فرض کر دیا۔ جو باشندگانِ مکہ کے علاوہ سب کے لئے بڑی سے بڑی سیاحت ہی ہے۔

یاتین من کل فج عمیق (۲۲: ۲۷) نیز جا بجا زور دیا کہ ملکوں کی سیر کرو۔ اور پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت کرو۔ اُن کے عروج و زوال کے حالات و بواعث کا کھوج لگاؤ۔ خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو۔ جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اسی صورت میں یہ حکم پڑھو گے۔ کہ طلب علم کے لئے گھروں سے نکلو۔ اور علم کے مرکز میں پہنچو۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم (۹: ۱۲۲) اور تجارت کے سفر کو بھی فضل الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی اس کی اجازت دے دی۔ لیس علیکم جناح ان لا تبتغوا فضلا من ربکم (۲: ۱۹۸) جب کہ سیر و سیاحت کے یہ صریح احکام موجود ہیں۔ تو پھر کونسی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی میں تعجب ہو!

تربیتِ عسکری اور قرآنِ حکیم

انسان نہایت سرکش اور متمرد ہے۔ اس نے بارہا حقوق الٰہی میں دست اندازی کی ہے۔ اس کی عظمت و جبروت کے سراپردۂ جلال کو چاک چاک کرنا چاہا ہے اس کے دامن توحید پر چنگل مارا ہے۔ اور پتھروں بلکہ کنکریوں تک کو اس کا شریک بنا دیا ہے۔

اُس نے خدا کی پاکی و قدوسیت کو بھی اپنے انسانی جذبات کے ساتھ ملوث کرنا چاہا۔ اور اس کے صالح بندوں کو اس کا بیٹا بنایا۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا ؕ

اُس نے کبھی غرور و تکبر کے گھمنڈ میں آکر خود اپنا نسب نامہ بھی خدا کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ اور اس طرح اپنے خاندان کو تمام دنیا سے اونچا کرنا چاہا

ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یشرکون۔

اس نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو ساحر، مجنون، پاگل اور دیوانہ کہا ہے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی ہیں۔ ان کے ساتھ ہر موقعے پر گستاخی کی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی خدا کے ان صالح بندوں کو قتل بھی کر دیا ہے۔

لیکن اس سرکش انسان کا خون اس قدر گراں قیمت اور بیش بہا ہے۔ کہ اس تمرد و طغیان پر بھی خدا نے اس کی حرمت کو قائم رکھا۔ لیکن جب سرکشی و عصیاں نے بہت زیادہ سر اٹھایا اور خدا کے دائرہ عفو و کرم کے حدود سے آگے بڑھ گئی۔ تو قانون تعذیب الٰہی کو بھی حرکت ہوئی۔ اور اپنی عظیم الشان مخلوقات کو مسلط کر دیا۔ انہوں نے اس کو بداعمالیوں کی پوری پوری سزا دی ثمود کو زمین نے پیس کر غبار بنا دیا۔ عاد کو ہوا کے جھونکے خس و خاشاک کی طرح اڑا لے گئے۔ قوم نوح کو طوفان کا ریلا تنکے کی طرح بہا لے گیا۔

وکذلک اخذ ربك اذا اخذ القریٰ و ھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید۔

حقوق العباد

لیکن باایں ہمہ خدا نے اپنے حقوق کی حفاظت و احترام کے لئے کبھی بھی ایک قطرہ خون نہیں بہایا۔ خدا نے دنیا کی بڑی بڑی متمرد قوموں کو مٹا دیا

ان کی نسل فنا کر دی۔ ان کی یادگاروں کو برباد کر دیا۔ لیکن وہ جس سرزمین پر آباد تھے۔ اس کے دامن پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آیا۔

البتہ جب انسان نے حقوق الہٰی کے حدود سے بھی آگے قدم بڑھایا۔ اور خود اپنے بھائیوں کے فطری حقوق کو پامال کرنا چاہا۔ اُن کے ملک چھین لیے۔ ان کی آزادی و خودمختاری سلب کر لی۔ ان کے بچوں کی آزادانہ نشو ونما روک دی۔ ان کی زمینوں پر اپنے عیش و نشاط کے محل تعمیر کئے۔ اُن کے جسم سے نکلے ہوئے پسینے اور گردنوں سے بہے ہوئے خون سے اپنی تشنگیٔ ظلم کو تسکین دی۔ اور پوری قوم و ملک کو اپنی قومی سیادت و عظمت کے لئے ایک آلۂ بے جان بنا لیا۔ تاکہ اپنی قدرتی حرکت کو چھوڑ کر صرف انہی کے اشاروں پر حرکت کریں۔ تو اس وقت خدا نے بھی اپنے شکنجۂ عذاب کو پہلے سے زیادہ سخت کیا۔ اور جو سیادت الہٰی پہلے سے قائم تھی۔ اس کا رنگ بالکل بدل گیا۔ پہلے سیاست ربّانی کا منصب صرف آسمان و زمین اور ابر و دریا کو حاصل تھا۔ جن کے عذاب کی چکی چند لمحوں کے اندر قوم کی قوم کو پیس ڈالتی تھی۔ مگر اب یہ خدمت خود انسان ہی کو بلکہ صرف انسان کے ہاتھ کی دس انگلیوں کو سپرد کر دی گئی۔ انسان جب تک خدا کے حقوق کو پامال کر رہا تھا۔ خدا اپنی عظیم الشان مخلوقات کے ذریعے سے ان کو عذاب دیتا تھا۔ اب خود انسان کے حقوق روندے جا رہے تھے۔ اس لئے خدا نے بھی انسانیت کی عزت و احترام کو قائم رکھنے کے لئے خود انسان

ہی کر کھڑا کر دیا۔

زمانۂ وحشت میں انسان نے کتنے انسانوں کے حقوق پامال کیئے ہوں گے؟ کتنے انسانوں کو قتل کر دیا ہو گا؟ کتنے بچے ذبح کر دیئے ہوں گے؟ کتنی عورتوں کے سر سے چادر عصمت اتار لی ہو گی؟ ان حقوق کے تحفظ کے لیئے تلواریں بھی چمکی ہوں گی۔ نیزوں نے بھی اپنی روانی دکھائی ہو گی۔ کمانوں کی چرچڑاہٹ کی آواز سے بھی وحشت کدۂ عالم گونج اُٹھا ہو گا۔ لیکن تاریخ نے ان واقعات کو یاد نہیں رکھا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی ان قوموں کے ساتھ جنگل کے تاریک گوشوں اور پہاڑوں کے تنگ غاروں میں گم ہو گئی۔ البتہ زمانہ تمدن کی تاریخ نے اس قسم کے سینکڑوں واقعات کو اب تک ازبر رکھا ہے۔ اور اس آموختہ کے یاد کرتے میں سب سے زیادہ زبان تیغ نے مدد دی ہے۔ خون کے دھبوں نے ان کے نقوش رنگیں کو کبھی مٹنے نہ دیا۔

(DIVIDE AND RULE)

تربیت عسکری کے لئے پہلی چیز ایک متحدہ قومیت کا پیدا ہونا ہے۔ محض انسانوں کی ایک بھیڑ سے متمدن فوج نہیں بن سکتی جب تک کہ قومیت کی روح ایک متحد جماعت پیدا نہ کر دے۔ باہمی اتحاد و اتفاق کی زنجیریں سب کے پاؤں میں ہوں۔ کسی ایک مقصد کے عشق اور ایک حکم کی اطاعت میں سب کے سب ایک بن جائیں یہی وجہ ہے کہ جو حکومتیں اپنے جبر و استبداد

کے قائم کرنے کے لئے کسی قوم کے سپاہیانہ جذبات کو فنا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ سب سے پہلے سیاسی فریب وسائل کے ذریعے اس میں پھوٹ، نفاق، بغض کینہ اور باہمی انتقام کے جذبات خبیثہ پیدا کرکے ان کی جمعیت کو توڑ دیتی ہیں۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ ان کی قومیت فنا ہو جاتی ہے۔

لیکن اس خدع و فریب کی ضرورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب قوم میں کچھ لوگ بیدار دماغ، متحرک اعصاب اور مضطرب دل رکھتے ہوں اور سیاست کی چھپی ہوئی چالوں کے زہرآلود اثر سے متاثر ہوتے رہتے تھے ہوں۔ لیکن جب کوئی قوم دل و دماغ کھوکر اپنے سرچشمۂ احساس کو بالکل فنا کر دیتی ہے۔ تو پھر ان فریب کاریوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ سربازار تلوار سے اُس کے نقش وجود کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔

دنیا کی ملکی تاریخیں اس قسم کی بہت سی مٹی ہوئی قوموں کو نمایاں کر سکتی ہیں۔ لیکن مذہبی تاریخ واقعات میں تسلسل و نظام اور ترتیب نہیں ڈھونڈھتی۔ وہ دنیا کو محض عبرت کا افسانہ سناتی ہے۔ اس لئے وہ صرف ایک اہم اور کثیر النتائج واقعات کا انتخاب کر لیتی ہے جو تمام دنیا کے لئے مجموعہ عبرت ہوتا ہے۔ اور اس کو بار بار دنیا کے آگے پیش کرتی رہتی ہے۔ اس اصول کی بنا پر اس نے ہم کو صرف فرعون کے مظالم کی داستان سنائی ہے۔ جس کا انتہائی ظلم وعدوان یہ تھا۔ کہ وہ اپنی اجنبی رعایا کے اندر پھوٹ

اور نااتفاقی ڈال کر حکومت کرتا تھا۔ اور ایک گروہ کو ضعیف اور دوسرے کو قوی رکھتا تھا۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم۔

فرعون نے خدا کی زمین میں بہت سر اٹھایا۔ اور اس کے رہنے والوں میں پھوٹ ڈال کر اُن کو گروہ در گروہ کر دیا۔ اور ان میں سے ایک جماعت کو کمزور رکھتا اور ابھرنے نہ دیتا۔"

مذہبی حکومتوں کے سوا ظلم ہر دنیوی سلطنت کا مایۂ خمیر ہے اور باوجود مختلف قسم کے مظالم کے وہ اپنی زندگی کے دن پورے کر لیتی ہیں۔ جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دئے ہیں۔ لیکن جب کوئی سلطنت ظلم کو اس انتہائی درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ کہ انسانی حقوق کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ تو یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا تاج و تخت الٹ دیا جاتا ہے۔ اور وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی ہے۔

آج بھی ہم یہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ خدا کا یہ قانون کس طرح کام کر رہا ہے

ظلم کی موت ہی سے عدل پیدا ہوتا ہے

لیکن دنیا پر یکے بعد دیگرے ہمیشہ متضاد قوتوں نے حکومت کی ہے۔

رات کے جانے کے بعد ہمیشہ دن جلوہ گر ہوا ہے۔ تاریکی کے بعد ہمیشہ روشنی چمکی ہے۔ سیاہی کے بعد ہمیشہ سفیدی نے ظہور کیا ہے۔ یہی حال حکومتوں اور سلطنتوں کا بھی ہے۔ جب ایک ظالم حکومت مٹتی ہے۔ تو اس کی جگہ اسی وقت ایک عادل سلطنت قائم ہو جاتی ہے۔ ظلم کا جانا ہی عدل کے ظہور کا پیام ہے۔ اور رات اگر ختم ہو گئی۔ تو اس کے یہی معنی ہیں کہ دن آگیا۔

جب جابرانہ قوموں کی قوت فنا ہو جاتی ہے۔ تو ایک عادلانہ نظام قائم ہو جاتا ہے۔ فرعون کی جابرانہ سلطنت کا زوال ایک دوسری قوم کی عادلانہ حکومت کا مقدمہ تھا۔ اس لئے خدا نے فرعونیوں کی ہلاکت کے ساتھ ہی عدل الٰہی کے قیام کا بھی مژدہ سنا دیا۔

وَنُرِیدُ اَن نَّمُنَّ عَلَی الَّذِینَ اسْتُضْعِفُوا فِی الاَرْضِ وَ نَجْعَلَھُمْ اَئِمَّۃً وَّنَجْعَلَھُمُ الْوَارِثِینَ وَ نُمَکِّنَ لَھُمْ فِی الاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ ھَامَانَ وَجُنُودَھُمَا مِنْھُم مَّا کَانُوا یَحْذَرُونَ۔

اور ہم اپنے دائمی قانون عدل کی بنا پر چاہتے ہیں۔ کہ جو لوگ ہماری زمین میں کمزور بنا کر ایک مدت تک رکھے گئے ہیں۔ ان پر احسان کریں۔ اور ان کو دنیا کی پیشوائی عطا فرمائیں۔ بڑی بڑی طاقت ور قوموں کے تاج و تخت کی وہی وارث ہوں۔ اور ان کی پادشاہت زمین پر قائم ہو جائے۔ فرعون

دہامان اور ان کی حکمران قوم کو ان کی طرف سے جس چیز کا کھٹکا تھا۔ اور جس کے لئے وہ انہیں کمزور رکھتے تھے۔ وہی ان کے سامنے لائیں گے"!

انقلاب قوت وصنعت

یہ تو سلطنت فرعونی کے انقلاب کی سرگذشت تھی۔ لیکن غور کرو۔ کہ اس آیت کریمہ کے اندر قرآن حکیم نے کس طرح اپنے ایک قانون الہٰی کی خبر دے دی ہے؟ وہ بتلاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ وجلال کی نمائش گاہ ہے۔ اور کمزوروں کی ہلاکت کا مقتل ہے۔ طاقتور قومیں کمزوروں کو اپنا غلام ومحکوم بناتی ہیں۔ ان میں پھوٹ اور اختلاف ڈالتی ہیں۔ ان کے مختلف فرقوں اور مختلف گروہوں کو باہم ملنے نہیں دیتیں۔ کیونکہ اگر وہ مل کر ایک ہو جائیں۔ تو پھر کمزور نہ رہیں۔ اور اتفاق ویگانگت کی طاقت اعلیٰ ظالموں کا تخت وتاج الٹ دے۔ یہی حال مصر میں بنو اسرائیل کا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا ایک مستثنیٰ قانون بھی ہے اور خدا کے زبردست ہاتھ کی گاہ گاہ چمک جانے والی حرکت بھی ہوتی ہے۔ جب ظلم اور طاقت کے شیطان کا غرور حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تو ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دنیا طاقت والوں کی جگہ کمزوروں کو گھر بنا دی جاتی ہے۔ اور وہی زمین جو کمزوروں کے لئے قتل گاہ تھی۔ طاقت والوں کی تباہی وہلاکت کا تماشا گاہ بن جاتی ہے پس اس دن

چھوٹے بڑے کئے جاتے ہیں۔ اور بڑوں کو چھوٹا بنایا جاتا ہے۔ وہ کہ کمزور کر دئے گئے تھے۔ وہ کہ بے کس و بے نوا تھے۔ وہ کہ صرف رونے ماتم کرنے اپنی بے بسی کی چیخیں مارنے، اور لٹنے لٹانے کے لئے تھے۔ وقت آتا ہے کہ احسان الٰہی کے سزاوار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اور کمزوری کی جگہ طاقت کے لئے بیکسی کی جگہ فرمانروائی کے لئے، رونے کی جگہ خوشیوں کے لئے ماتم کی جگہ عیش و کامرانی کے لئے اور لٹنے کی جگہ لوٹنے کے لئے تمام عالم میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ قوت فرعونی کی جگہ قوت موسوی کی تلوار آن کی آن میں دنیا کو پلٹ دیتی ہے۔ اور صدیوں کی گری ہوئی قومیں پھر جاہ و جلال ربّانی کے ظہور و قیام کے لئے دنیا کی وارث اور خلیفہ بنا دی جاتی ہیں۔

تربیت عسکری

لیکن جس طرح تلوار کی آخری حرکت کسی سلطنت کی شہ رگ کو کاٹ دیتی ہے۔ اسی طرح اس کی پہلی جنبش نظام حکومت کو قائم بھی کر دیتی ہے حکومت سیاست کا سرچشمہ ہے۔ اور ریاست کی پیاس ہمیشہ تلوار ہی کے پانی سے بجھی ہے۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے تاج و تخت الٹنے اور بنو اسرائیل کی حکومت قائم کرنے کے لئے ایک تیغ برہنہ کی صورت میں نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے دیکھو کہ کس طرح ان کو بچپن ہی سے میدان جنگ کے

شدائد و مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنایا۔ اور طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈال دیا؟ ابھی انہوں نے دنیا میں پہلا ہی قدم رکھا تھا۔ کہ ماں کے آغوش کی محبت سے زمین پر رینگنے والے کیڑے بھی محروم نہیں رہتے۔ اللہ کی معلمانہ مشیت نے اپنے رسول اولوالعزم کو اس سے محروم کر دیا۔ دریائے نیل کی طوفان خیز موجوں کی آغوش میں انہیں ڈال دیا گیا۔ کہ ایک دن دریا کے طوفان ہی میں سے ان کو اپنی راہ نکالنی تھی۔

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین۔

"اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اس کو دودھ پلائے۔ اور اگر فرعون کے ظلم کی وجہ سے اس کی جان کا خوف ہو تو دریا میں ڈال دے اور کسی قسم کا خوف یا غم نہ کرے۔ ہم پھر اس کی گود میں اس کے لخت جگر کو واپس کر دیں گے اور اس کو اپنا پیغمبر بنائیں گے۔"

حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنے لخت جگر کو دریا کی لہروں کی آغوش میں ڈال دیا۔ لیکن نیل کی لہریں اس امانت مقدس کو اور کہیں نہیں لے گئیں۔ اسی کے محل تک بحفاظت پہنچا دیا۔ جس کے سر غرور کو کچلنے کے لئے ایک دن یہ شیر خوار بچہ اُٹھنے والا تھا۔ پھر محل فرعونی کی عورتوں کو ان پہ مہربان

کر دیا۔ انہوں نے اپنے بچوں کی طرح خاص شاہی محل کے اندر پرورش کی۔ اور ان کی دایہ قرار پائیں۔ اس میں اللہ کی بڑی مصلحت یہ تھی۔ کہ حضرت موسیٰ کی پرورش شاہی محل میں ہوگی۔ تو بادشاہوں کے جاہ و جلال باطل کا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا۔ اور بچپن ہی سے شاہانہ زندگی ریاست و ملک داری کے طریقے، اور ظالمانہ حکومتوں کے تمام اسرار و خفایا ان پر منکشف ہو جائینگے۔

فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا۔
ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خٰطئین۔

"پھر اس کو آل فرعون نے دریا سے نکال لیا۔ اور اس بچے کو پرورش کیا۔ تاکہ آگے چل کر وہ ان کا دشمن اور سرمایہ رنج و غم بنے بے شک فرعون ہامان اور ان کا لشکر غلطی پر تھا۔ جب اپنے دشمن کو اپنے گھر کے اندر پال رہا تھا"

اس کے بعد آزمائش و ابتلا کے متعدد موقعے پیش آئے۔

سپہ سالار جنگ

فوج کی تنظیم و تربیت کے لیے جس سپہ سالار کی ضرورت تھی۔ وہ تمام آلات حرب سے مسلح ہو گیا۔ لیکن وہ جن لوگوں سے اپنی فوج کو مرتب کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود گرفتار زندان مصیبت تھے۔ اس لئے اس نے اپنا پہلا مطالبہ جو فرعونی گورنمنٹ سے کیا وہ اسی فوج کی رہنمائی کا مطالبہ تھا۔

ان ادوا الی عباد اللہ انی لکم رسول امین -

"خدا کے ان بندوں کو میرے حوالے کر دو - میں تمہارے پاس ایک امانت دار پیغمبر بن کر آیا ہوں"

داخلی تبلیغ

لیکن فرعون نے جیسا کہ تمام ظالم بادشاہوں کا طریقہ ہے - ان کے اس الٰہی مطالبے کو رد کر دیا - پس ضرور ہوا - کہ اب کچھ دنوں تک مصر ہی میں رہ کر بنو اسرائیل کی تربیت و تعلیم کا انتظام کیا جائے اور صدیوں کی محکومی و غلامی نے جس درجہ ان کے فوجی قویٰ کو معطل کر دیا ہے - اسی درجہ کسی قوی و مؤثر تعلیم کے ذریعے ان میں حریت و استقلال کے عزائم پیدا کیے جائیں۔

پس حکم الٰہی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کی داخلی تبلیغ میں مشغول ہو گئے - اور بنی اسرائیل کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا - اس تیاری کا طریقہ اور اس کے اصول جو قرآن حکیم نے بتلائے ہیں - ہم کسی دوسری صحبت میں ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔

پہلی فوجی نمائش

جب ایک اچھی مدت اس پر گزر گئی - تو حکم الٰہی ہوا کہ اب وقت آگیا

ہے۔ کہ اس تیار کردہ فوج کی حرکت شروع ہو جائے۔ پس پہلی منزل یہ ہے کہ اب فرعونی گورنمنٹ کے سازوسامان اور احکام و قوانین کی بالکل پروا نہ کرو، وہ بنو اسرائیل کو اپنی غلامی سے نکلنے نہیں دیتی۔ مگر تم کو اس کے اپنے ساتھ لے کر راتوں رات نکل کھڑے ہو۔ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ لیکن عذاب الٰہی بھی اس کے تعاقب سے غفلت نہیں کرے گا۔

فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون۔

"میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔"

انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل کی۔ اور اس طرح فوج کے لئے جس اجتماع و انضمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا قوام تیار ہو گیا۔

روحِ عسکری

لیکن فوج صرف آدمیوں کی اس صف ہی کا نام نہیں ہے۔ جو میدان جنگ میں دیوار کی طرح کھڑی کر دی جاتی ہے۔ بلکہ جس طرح دنیا کی ہر حقیقت مادہ و قوت سے مرکب ہے۔ اسی طرح فوج بھی جسم و روح کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ تو پروردگار کا کام ہے وہ چاہے تو ایک انسان کو ایک ہزار انسانوں پر غالب کر دے۔

یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین و ان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقہون۔

"اے پیغمبر مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی صابر ہوں۔ تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی بھی صبر کی طاقت رکھتے ہوں گے۔ تو کفّار کی ایک ہزار جمعیت پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔"

عزم و استقلال اور صبر و توکل کی طاقت صرف افراد کی کثرت سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کو آزادی کی زندگی ہی پیدا کرتی ہے۔ جو قوائے انسانی کی نشوونما کی فطرتی تربیت گاہ ہے۔

لیکن آزادی ایک ایسا جوہر ہے۔ جو کبھی تو اس قدر ارزاں ہو جاتا ہے۔ کہ ہر ریگستان کے چمکتے ہوئے ذرّے میں مل سکتا ہے اور کبھی اس قدر گراں قیمت ہو جاتا ہے۔ کہ صرف تاج شاہی کے ٹکے ہوئے موتیوں ہی میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام جس قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہوئے تھے۔ اس کے اندر یہ جوہر یک قلم مفقود ہو گیا تھا۔

فرعون کی غلامی نے اس کے تمام شریفانہ جذبات فنا کر دئے تھے۔ اس نے کبھی حکومت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پیغمبرانہ دعوت کی طاقت نے مومنین بالغیب کا ایک چھوٹا سا گروہ ضرور پیدا کر دیا۔ جس نے حرّیت صادقہ کی رُوح سے معمور ہو کر فرعون کو للکارا تھا:۔

فاقض ما انت قاض انما تقضی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا

"جو حکم چاہے ہمارے لئے دو۔ تمہاری حکومت زیادہ سے زیادہ اس دنیوی زندگی ہی کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ کہ ہمیں قتل کر دے اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟"

لیکن یہ بھی صرف نور ایمان کی ایک جدید رُوح کی صدا تھی جس نے غلاموں کے ملک میں حرّیت حقہ کا غلغلہ بلند کر کے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ ورنہ بنو اسرائیل کے حلقے سے کبھی اس قسم کی صدائیں بلند نہیں ہو سکتی تھیں۔

جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض

پس اس بنا پر بنو اسرائیل کی فوجی تعلیم و تربیت کے لئے وہی قدرتی مرکز موزوں تھا۔ جہاں انسان نے سب سے پہلے آزادی کی ہوا کھائی ہے یعنی آبادیوں اور بستیوں سے الگ کوئی صحرا اور میدان، جہاں نہ کسی کی حکومت ہو نہ کسی انسان کا حکم آزاد چڑیوں کے غول ہوں اور خود مختار پرندوں کے

جھنڈا اسی کائنات فطری و حقیقی میں رہ کر وہ اپنی گم شدہ حریت کو تلاش کر سکتے تھے۔ جو مصر کی آبادیوں میں کھو گئی تھی!

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے آنے والے جاہ وجلال و عظمت کو یاد دلا کر ان کے جذبہ شجاعت کو تازہ کرنا چاہا:

واذ قال موسی لقومہ یا قوم اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا و آتکم مالم یوت احداً من العالمین یا قوم ادخلو الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خاسرین۔

"جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ اے لوگو خدا کی نعمتوں کو دیکھو۔ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے تھے۔ اب تم کو بادشاہ بناتا ہے اور وہ عظمت عطا فرماتا ہے۔ جو اب تک کسی کو بھی نہ دی تھی۔ پس عزم اور ہمت کرو اور ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی حکومت صرف تمہاری ہی قسمت میں لکھی گئی ہے۔ اور ہرگز بزدلوں کی طرح پیٹھ نہ پھیرو۔ اس کا نتیجہ بجز ناکامیابی و محرومی کے کچھ نہ ہوگا"

لیکن یہ امتحان ایک ایسی قوم کے لئے سود مند نہ ہو سکا۔ جو صدیوں سے غلامی کی لعنت میں گرفتار تھی۔ بنی اسرائیل کی بزدلی نے نہایت مایوسانہ

جواب دیا۔

قالو یموسیٰ ان فیہا قوماً جبارین، وانا لن ندخلہا حتیٰ یخرجو امنہا۔ فان یخرجو امنہا فانا داخلون۔

"ان لوگوں نے جواب دیا۔ کہ اے موسیٰ ارضِ مقدس میں ایک نہایت ہیبت ناک قوم رہتی ہے۔ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنے ساز و سامان اور طاقت سے ہمیں پیس ڈالیں گے۔ جب تک کہ وہ ملک سے خود بخود نہ مٹ جائیں ہم اس کا رُخ نہ کریں گے۔"

اس داخلے سے محض شاہی جاہ و جلال کا منظر دکھانا مقصود نہ تھا۔ بلکہ بنو اسرائیل کی قدیم کھوئی ہوئی عظمت کو خلافت الٰہی کی صورت میں قائم کرنا تھا۔ اور خلافت الٰہی کے قائم کرنے کے لئے جس قسم کی شجاعت درکار ہوتی ہے۔ اس کو صرف نور ایمان ہی قائم کر سکتا تھا۔ بنو اسرائیل کے دل اس کی حرارت سے خالی تھے۔ دو مخلص مومنوں نے اپنے نور ایمان کی حرارت سے ان کے دلوں کو گرمانا چاہا:

قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیہما ادخلو علیہم الباب۔ فاذا دخلتموہ فانکم غالبون، وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔

"جو لوگ بیت المقدس میں داخل ہونے سے ڈر رہے تھے انہیں میں سے دو آدمیوں نے جن پر خدا نے نور ایمان کے ذریعے سے احسان کیا تھا کہا جہاد فی سبیل اللہ سے انکار نہ کرو۔ اور اللہ پر اعتماد کر کے ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ جب اس کے اندر داخل ہو جاؤ گے۔ تو تم یقیناً غالب ہو گے۔ اگر تم مسلمان ہو تو خدا پر بھروسہ کرو۔"

لیکن اس پر بھی ان کے دلوں میں حرارت پیدا نہ ہوئی اور انہوں نے صاف جواب دے دیا۔

قالوا یموسیٰ انا لن ندخلها ابدا ما داموا فیها فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔

"ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ جب تک وہ طاقت ور لوگ اس شہر میں ہیں ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے خدا کے ساتھ جا کر لڑو۔ ہم اس جگہ بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔"

چہل سالہ قیام صحرا

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بالکل مایوسی ہو گئی اور انہوں نے اس بزدل قوم سے علیحدہ ہونا چاہا:

قال رب انی لا املك الا نفسی واخی فافرق

بیننا و بین القوم الفٰسقین۔

"حضرت موسیٰ نے کہا۔ خداوندا! میں صرف اپنے وجود پر اور اپنے بھائی ہارون ہی پر اختیار رکھتا ہوں۔ اپنی قوم کی بزدلی اور رُوحانی موت کو کیا کروں؟ اب مجھ میں اور اس بدکار قوم میں علیحدگی کر دے۔"

لیکن حکم الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ! تم مایوسی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہو۔ تمہاری پیغمبرانہ استقامت کی طاقت کو ان مشکلوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے بنی اسرائیل کو مدتوں کی غلامی نے جہاد فی سبیل اللہ کی مقدس راہ سے ناآشنا کر دیا ہے۔ وہ چھوٹی راحتوں کے عاشق ہیں۔ بڑے مقصد کی راہ میں مصیبت اٹھانے سے جی چراتے ہیں۔ غلامی کی زندگی کا یہ لازمی نتیجہ ہے پس اس سے نہ گھبراؤ۔ اور انہیں یہاں سے نکال کر کسی آزاد و بے قید صحرا میں جا بساؤ۔ وہاں کی خالص اور فطری آب و ہوا میں ایک زمانہ بسر کریں۔ عہد غلامی کی پرورش یافتہ نسل مٹ جائے۔ ایک نئی مستعد نسل پیدا ہو۔ پھر وہ راہ جہاد کی مشکلات کو برداشت کر سکے گی۔

قال فانہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض فلا تاس علی القوم الفٰسقین۔

"خدا نے کہا بیت المقدس کا داخلہ ان کے لئے چالیس سال تک حرام ہو گیا۔ اب اسی سرزمین میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ حصول عظمت میں

یہ چہل سالہ تاخیر انہی کی بزدلی کا نتیجہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کی محرومی پر تمہیں افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔

نظامِ حکومتِ اسلامیہ

"الحریّۃ فی الاسلام"

تمام دنیا میں جمہوریت کے خیالات پھیل رہے ہیں۔ شخصی استبداد و مطلق الحکمی سے ہر جگہ نفرت کی جا رہی ہے۔ اور اس حقیقت کا اعتراف پیہم ہے۔ کہ قانونی وسیاسی آزادی میں تمام انسان مساوی الرتبہ ہیں۔ قوم کو اپنے ثمراتِ ملک سے تمتع کا حاصل ہے۔ وہ اس حق میں دوسروں پر مقدم ہے۔ دنیا کی تمام قومیں اس حقیقت پر ایمان لا چکی ہیں۔ اور ہر ممکن ذریعہ و کوشش سے اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ بعض کوششیں ہدفِ مقصد تک پہنچ چکی ہیں۔ اور بعض پہنچنے کے قریب ہیں۔

لیکن مسلمان جو دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں ان کے تصور میں اس کی صورت مہیب ہے۔ حالانکہ

اس حق طلب اور داد خواہ جماعت میں سب کے آگے مسلمانوں کو ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان کا پیغمبر دنیا میں صرف اسی لیئے آیا تاکہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائے۔

یورپ کی قومیں دُور سے کھڑی مسلمانوں کے اعمال و حرکات جہل عن الحقیقۃ کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ ہم کو ازراہِ لطف و کرم اس راستے کے شدائد و خطرات سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور وعید و تہدید کی کڑک میں یہ تنبیہ کرنے والی آواز سنائی دیتی ہے۔ کہ دیکھنا اس زنجیر کو جس سختی سے کاٹنا چاہو گے۔ اسی سختی سے یہ پاؤں میں اور زیادہ لپٹ جائے گی"۔ اکثر واعظین سیاست ازراہِ شفقت و نصیحت دینی ہم کو یہ بھی تلقین کرتے ہیں کہ حریت حکومت کے لیئے اس قسم کی کوششیں اور جد و جہد تعلیماتِ قرآنیہ کے خلاف اور تاریخِ اسلام کے منافی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ واقعاتِ تازہ نے مسلمانوں کے حسیات زندہ کر دیئے ہیں۔ ان کو اپنا از یاد رفتہ خواب پھر یاد آگیا ہے۔ اتباعِ احکام ربانی کے لیئے ان میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا ہے اور اسلام کی حریت و آزادی کے اسباق پر انہوں نے نظر ڈالنی شروع کر دی ہے۔ اس لیئے ان کے ناصحین و مشفقین سیاست کو ان کی ہدایت سے مایوس ہو جانا چاہیئے۔ کہ ان کا اب گمراہ ہی ہو جانا ان کے حق میں ہدایت سے بہتر ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ

مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم

نوبتِ زہد فروشان و ریاکار گذشت
وقت شادی و طرب کردنِ رندان برخاست

اسلام خود اپنے بیان کے مطابق رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً دین و دُنیا کی اصلاح کے لیے آیا تھا۔ اور اس لیئے دونوں جہاں کی برکات اس کے ساتھ تھیں۔ پھر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانۂ ہدایت میں حسنات سیاست دنیاوی کا وجود نہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ منصب خدمت انسانی کی انجام دہی سے مقصر رہا۔ جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے کارنامہ ہائے سیاسیہ اور طرق اصلاحِ حکومتِ دنیویہ سے آج واقفیت حاصل کرے۔

آج سے ۱۳۴۱ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ دنیا استبداد و استعباد کے عذاب الیم میں مبتلا تھی۔ غلامی کی زنجیروں نے اس کا بند بند جکڑ رکھا تھا فرمانروا یانِ ملک " امرائے شہر" روساے قبائل اپنے اپنے حلقۂ فرمانروائی میں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ " تھے " اور ان کے ہاتھ میں ان کے اطاعت گذار اور پیرو بالکل مثل معدوم الارادت آلات عمل کے تھے۔ جن کی زندگی کا موضوع واحد صرف اپنے قادر و قابض کی تکمیل ہوائے نفس و اتباع مرضات

تھا۔ صداقتوں کی حقیقت اور امور و واقعات کی صداقت کا فیصلہ سلاطین و امرا کے چشم و ابرو کا ایک اشارہ اور ملوک و روسا کے کام و دہن کی ایک جنبش کرتی تھی۔ مسیح سے سترہ سو برس پہلے ذات شاہی ہر تقدیس سے متصف ہر احترام فوق العادت سے مقدس اور ہر نقص و عیب سے مبرا تھی۔ کیونکہ وہ خدا تھی خدا کا سایہ تھی یا کم از کم مرتبۂ انسانیت سے ایک بالاتر شے تھی۔

فراعنۂ مصر دیوتا تھے۔ اسی لئے مصر کے ایک فرعون نے مسیح سے سترہ سو برس پہلے اپنے درباریوں کو کہا تھا "انا ربکم الاعلیٰ" یعنی موسیٰ کا خدا کون ہے؟ تمہارا بڑا خدا تو میں ہوں" کلدانیوں کے ملک میں نمرود بابل کی پرستش کے لئے ہیکل بنتے تھے۔ ہندوستان کے راجہ دیوتاؤں کے اوتار بن کر زمین پر اترتے تھے۔ روما کا پوپ خدا کے فرزند کا جانشین تھا۔ اور اس کا آستانۂ قدس سجدہ گاہ ملوک و سلاطین۔

روم کے قیصر اور فارس کے کسریٰ گو دیوتا نہ تھے۔ لیکن فطرت بشریہ سے منزہ، اور مرتبۂ انسانیت سے بلند تر ہستی تھے۔ جن کے سامنے بیٹھنا ممنوع، جن کے سامنے ابتدائے کلام گناہ، جن کا نام لینا سوء ادب اور جن کی شان میں ادنیٰ سا اعتراض بھی موجب قتل تھا۔ بیت المال ملکی سامان بصرف رعایائے ملک غلامان درگہ شہنشاہی تھے۔

دنیا اسی تعبد و غلامی اور ذلت و تحقیر میں تھی، کہ بحر احمر کے سواحل پر

ریگستانی سرزمین میں ایک عربی پادشاہ کا ظہور ہوا۔ جس نے اپنے معجزانہ زور و توانائی سے قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ دیئے۔ رومۃ الکبریٰ کے ایوانِ قدس کی بنیادیں ہلا دیں۔ تعبد و غلامی کی زنجیریں اس کی شمشیرِ غیر آئینی کی ایک ضرب سے کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ اور استقلال ذات و فکر، حریتِ خیال و رائے و شرف و احترامِ نفس، مساوات حقوق، اور ابطالِ شاہنشہی کی روشنی دنیائے قدیم[1] کے قلب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ شاہانِ عالم مرتبۂ قدوسیت و معصومیت سے گر کر عام سطح انسانی پر آ گئے۔ اور عام انسان سطح غلامی و حیوانیت سے بلند ہو کر مصر و بابل کے دیوتاؤں اور روم و ایران کے قیصر و کسریٰ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔ اور بقول گبن (مشہور مؤرخ) "قوائے عمل و زندہ دلی جو صومعوں اور خانقاہوں میں پڑی سوتی تھی، عسکر حجاز کی آواز دہل سے چونک پڑی اور اسلام کی اس نئی سوسائٹی کا ہر ممبر حسب استعداد فطرت و حوصلہ اپنے اپنے مرتبہ پہ پہنچ گیا۔

یہ معجزانہ قوت و توانائی کیا تھی؟ جلال روحانی سے بھری ہوئی ایک آواز تھی۔ جو بوقبیس کی پہاڑی سے بلند ہوئی۔ اور جس سے گنبدِ عالم کا گوشہ

---

[1] ملک عرب دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ اور جغرافیہ جدیدہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

گوشہ گونج اُٹھا'' کہ اے اہلِ عالم!

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (۳: ۵۷)

آؤ ایک بات جو اصولاً و عقلاً ہم میں تم میں متفق علیہ ہے۔ اس کو عملاً بھی تسلیم کریں۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں۔ نہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم خدا کے سوا ایک دوسرے کو اپنا خدا اور آقا بنائیں۔

اس ایک آواز سے انسانی جباری و الوہیت کے بُت سرنگوں ہو کر گر پڑے، شہنشاہیوں کا پُر اسرار اور عجیب الخواص طلسم ٹوٹ گیا۔ پادشاہ، خادم، رعایا، بیت المال، خزینۂ عمومی اور تمام انسان مساوی الرتبہ قرار پاگئے عرب کے بادشاہ نے اپنے لیے قصر و ایوان تیار کرایا، نہ قاقم و دیبا کے فرش بچھائے، نہ سونے چاندی کی کرسیوں سے دربار سجایا اور نہ اُس نے اپنی ہستی کو انسانیت سے مافوق بتایا، بلکہ علی الاعلان کہہ دیا۔ کہ

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں۔

یہ تو عرب سے باہر کا حال تھا۔ خود عرب کا حال کیا تھا؟ اطرافِ عرب میں یمن، یمامہ، غسان، حیرہ، بحرین، عمان میں روم اور فارس کے ماتحت جو ریاستیں تھیں۔ وہ سرتاپا روم و ایران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں، لیکن

وسط عرب کی بھی حالت یہ تھی، کہ اسلام سے پہلے وہ بالکل مبتلائے وحشیت تھا جس طرح قبیلے قبیلے کا خدا الگ تھا۔ اسی طرح ہر قبیلے کا شیخ بھی الگ تھا۔ آپس کی جنگ وجدال اور حرب وقتال نے تمام ملک کو کارزار بنا رکھا تھا۔ بے امنی و بے اطمینانی عرب کے گوشے گوشے میں موجود تھی۔ قبائل کا ایک دوسرے کے مملوکات پر غارت گری بہترین کسب معاش تھی۔ اس پر شعرائے قبائل فخریہ قصائد لکھتے تھے۔ اور ہر شخص دوسرے کی عزت و مال کو اپنے لئے بہترین قرار دیتا تھا۔

غرض کہ دنیا کے اس خشک و بے آب ملک کا چپہ چپہ انسانوں کے خون سے سیراب کیا جا رہا تھا۔ کہ دفعۃً سلطنت الٰہی کا ظہور ہوا۔ اور وادئ مکّہ میں عرب کے سب سے بڑے مجمع کے اندر اس کے اس فرمان کا اعلان کیا گیا کہ اے اولاد آدم:۔

الاان دماء کم و اولادکم	ہوشیار ہو جاؤ کہ آج جان اور مال کی
حرمت علیکم لحرمۃ یومکم	حرمت قائم کی جاتی ہے۔ جس طرح کہ
ھذا فی شھر کم ھذا	آج کے روز کی اس شہر مکہ میں اور
فی بلدکم ھذا الاکل	ماہ حج میں حرمت ہے۔ ہوشیار ہو کر
شئ من امر الجاھلیہ تحت	جاہلیت کی تمام باتیں آج میرے
قدمی موضوع ودماء الجاھلیۃ	پاؤں کے نیچے ہیں۔ ایام جاہلیت کی

موضوعۃ وان اول دم اضعہ من دمائنا دم ابن ربیعۃ الحارث۔ (الحدیث صحاح)

خونریزی اور اس کے انتقام کے تمام واقعات آج سے فراموش ہوں۔ سب سے پہلے میں خود اپنے عم زاد بھائی ابن ربیعہ بن حارث کا خون فراموش کرتا ہوں۔

یہ ایک آواز تھی۔ جس سے عرب کی پُر شور و شر فضا میں سکوت طاری ہو گیا۔ امن عام کا ابر چھا گیا۔ حکومت الٰہی کے اُس داعی نے نصرانی شہزادے سے فرمایا تھا۔ کہ "عرب کی بے اطمینانی سے نہ گھبراؤ۔ وہ وقت آئے گا۔ کہ ایک بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی عرب کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں نکل جائے گی۔ اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے گا" پس وہ وقت آ گیا کہ بڑھیا سونا اچھالتی ہوئی ایک گوشے سے دوسرے گوشے میں نکل گئی۔ اور کسی نے اس سے تعرض نہ کیا۔

تاسیس اصلاحاتِ حکومت

اس سلسلہ میں یہ عجیب بات ہے۔ کہ اسلام نے حکومت اسلامی کا جو نظام قرار دیا وہ ایک ایسی چیز تھی۔ جو اس کے گرد و پیش کے نظاماتِ حکومت میں کہیں بھی موجود نہ تھی۔ اُس نے ایک باقاعدہ قانونی و جمہوری حکومت کی بنا ڈالی۔ حقوق عامہ کی تشریح و تعیین کی۔ تعزیرات و حدود و جرائم کے

مناسب قائم کیئے۔ عدل و انصاف کی تعلیم دی۔ قانونی تسامح و انتشار شخصی کی ممانعت کی۔ شخصی حکومت و ذاتی امتیاز کو یک قلم مٹایا۔

یہ مجمل بیانات ہیں۔ جن کی تفصیل و اثبات کے لئے موجودہ اصول جمہوریت و عمومیت کی بنا پر متعدد مباحث طے کرنے چاہئیں۔

نظام جمہوریت

ایک بہتر سے بہتر حکومت کے تخیل کے لوازم کیا ہیں۔ اس کے جواب میں ہمارا موجودہ سیاسی لٹریچر اُن دفعات سے بہتر کوئی شے نہیں پیش کر سکتا۔ جو انقلاب فرانس کے شدائد و مصائب کے بعد اٹھارہویں صدی میں مرتب ہوئے۔ اور جن پر آج جمہوری حکومتوں کا عمل ہے۔ یعنی

۱۔ حکومت جمہور کی ملک ہے۔ وہ ذاتی یا خاندانی ملک نہیں۔

۲۔ تمام اہل ملک ہر قسم کے حقوق و قانون میں مساوی ہیں۔

۳۔ رئیس ملک (پریذیڈنٹ) جس کو اسلام کی اصطلاح میں امام یا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا تقرر ملک کے انتخاب و اختیار عام سے ہو۔ اور اس کو دیگر باشندگان ملک پر کوئی ترجیح نہ ہو۔

۴۔ تمام معاملات ملکی اور امور انتظامی و قانونی ملک کے اہل الرائے اشخاص کے مشورہ سے انجام پائیں۔

۵۔ بیت المال یا خزانۂ ملکی عام ملک کی ملکیت ہو۔ رئیس کو بغیر مشورۂ ملک و اہل حل و عقد کے اس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو۔

حکومت جمہور کی ملک ہے وہ ذاتی یا خاندانی ملک نہیں

یہ بحث درحقیقت زبدۂ مباحث و خلاصۂ جمہوریت ہے۔ اور آئندہ کی تمام بحثیں درحقیقت اسی اصل کی فروع اور متعلقات ہیں۔ اس دعوے کے اثبات کے لئے کہ اسلام میں حکومت جمہور کی ملک ہے۔ اور کسی خاص شخص کی ذاتی یا خاندانی ملک نہیں" بہترین دلیل خود اسی کی زبان ہے قرآن مجید کا یہ حکم ہر شخص کو معلوم ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (۳ : ۱۵) — امور حکومت میں اے نبی مسلمانوں سے مشورہ لے لیا کرو۔

دوسری جگہ حکومتِ اسلامیہ کی مدح میں ارشاد فرمایا:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ (۴۲ : ۳۶) — ان کی حکومت باہمی مشورہ سے ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں حکومت کے لئے مشورۂ عام کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں اس حکم کی تعمیل کی تصدیق کی گئی ان دونوں آیتوں سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ حکومت اسلامیہ میں مشورۂ عام شرط ہے۔

۲۔ حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے جس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ حکومت اسلامیہ کسی کی ذاتی ملک نہیں۔ بلکہ جمہور اسلام کی ملک ہے۔

۳۔ تیسری بات اُن سے یہ ثابت ہوتی ہے۔ کہ مسلمانوں کا صدر اوّل میں اسی پر عمل تھا۔ کیونکہ بغیر تاریخ سے مدد لئے ہوئے خود قرآن ہم کو بتلاتا ہے۔ کہ "ان کی حکومت باہمی مشورے سے ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات میں ہم کو اپنے دعوے کے اثبات کے لئے کسی دوسری دلیل کی احتیاج نہیں لیکن واقعات کے سلسلۂ ترتیب اور اعدائے اسلام کی تبکیت کے لئے ہم کو چند دیگر واقعات کا بھی اضافہ کرنا ہے۔ جس سے اس کا عملی رُخ اور زیادہ واضح ہو جائے۔

(۱)، آنحضرت صلعم نے اور خلفائے راشدین نے اپنا جانشین کسی عزیز یا اپنے بیٹے کو نہیں بنایا۔

۲۔ تمام معاملات ضروری میں آنحضرت اور خلفائے راشدین مہاجرین و انصار سے خصوصًا اور عام مسلمانوں سے عمومًا مشورہ لیتے تھے۔

۳۔ خلفاء کا تقرر عمومًا مشورۂ عام سے ہوتا تھا۔

۴۔ بیت المال عام مسلمانوں کا حق تھا۔ کبھی ذاتی طور پر اس کو صرف

میں نہیں لایا گیا۔ اور اسی لئے اس کا نام "بیت المال المسلمین" تھا۔ حالانکہ اگر اسلام شخصی حکومت کی بنیاد رکھتا تو ضرور تھا کہ امور مذکورہ بالکلیہ حکومت اسلامیہ میں مفقود ہوتے۔

الغرض آیاتِ مذکورہ کے علاوہ خلفاء کا عام مجمع میں انتخاب آزادی و حریت کے ساتھ ان کے احکام و اعمال کا انتقاد، امورِ مہمہ میں خلفاء کا اہل الرائے اور ارباب حل وعقد سے استشارہ بیت المال کی شخصی حرمت اور اس کا خزینہ عمومیہ میں ہونا اس امر کا محکم ترین ثبوت ہے۔ کہ اسلام میں حکومت جمہور ملک کی طاقت کا نام ہے۔ وہ کوئی شخصی استبداد نہیں۔

تمام اہل ملک مراتب، حقوق، قانون اور قواعد مملکت میں مساوی ہیں،

درحقیقت یہ اسلام کی واضح ترین خصوصیت ہے۔ کہ اس کی نظر میں آقا اور غلام، معزز اور حقیر، چھوٹا اور بڑا، امیر اور فقیر سب برابر ہیں۔ صہیب و بلال جو آزاد شدہ غلام تھے۔ سردارانِ قریش کے پہلو بہ پہلو کا نام ہے۔ اسلام کے سامنے صرف ایک ہی چیز ہے۔ جس سے انسانوں کے باہمی رتبے میں تفریق ہو سکتی ہے۔ یعنی تقوے اور حسن عمل۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹ : ۱۴)	تم میں زیادہ معزز وہی ہے۔ جو زیادہ متقی ہے۔

رسول اللہ صلعم نے صرف ایک فقرے میں مراتب کی تفریق کردی۔

الکرم التقویٰ (ترمذی باب مفاخرت)	بزرگی اور بڑائی صرف تقویٰ و حسن عمل ہے۔
لیس لاحد علی احد فضل الا بدین و تقوی۔ (مشکوٰۃ باب مفاخرت)	ایک کو دوسرے پر فضیلت دینی اور تقویٰ کے سوا اور کوئی حق ترجیح و فضیلت نہیں ہے۔
الناس کلھم بنوا آدمؑ وَ آدم من تراب (مشکوٰۃ)	تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا تھا۔ پس سب آپس میں برابر ہیں۔

مساواتِ قانونی کی اصلی تصویر صرف اسلام کے مرقع ہی میں مل سکتی ہے قانون اسلام کی نگاہ میں حاکم و محکوم اور امام و عامۂ ناس یکساں ہیں۔ کیا اسلام سے پہلے یہ ممکن تھا۔ کہ بادشاہ اپنی رعایا کے مقابلہ میں ایک معمولی آدمی کی طرح عدالت میں حاضر ہو؟ حضرت عمر اور ابی ابن کعب میں ایک معاملہ کی نسبت نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر جب اُن کے پاس گئے۔ تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ کردی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابن ثابت یہ پہلی بے انصافی ہے۔ جو تم نے اس مقدمے میں کی۔" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے (کتاب الخراج)

اسی طرح حضرت امیر جب ایک مقدمہ میں مدعا علیہ بن کر آئے تو ان کو مدعی کے برابر کھڑا ہونا پڑا۔ (عقد الفرید)

عہدِ عباسیہ میں حکومت اسلامی کی خصوصیات بہت کم باقی تھیں۔ لیکن پھر بھی جب مدینہ کے قلیوں نے خلیفہ منصور پر دار القضا میں دعویٰ کیا۔ تو خلیفہ کو تنہا ان قلیوں کے دوش بدوش قاضی کے سامنے آنا پڑا۔ مامون کے دربار میں اس کے بیٹے عباس پر ایک بڑھیا نے نالش کی اور شہزادہ عباس کو برسر دربار بڑھیا کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے مقدمے کی سماعت کرنی پڑی۔

قانونِ اسلامی میں قریب وبعید کا بھی کوئی امتیاز نہیں آنحضرت صلعم نے صاف فرمادیا۔

عن عبادة بن الصامت	خدا کے حدود یعنی خدا کے مقررکردہ
قال قال رسول اللّٰہ صلعم	قوانین وآئین دور و قریب، رشتہ دار
اقیموا حدود اللّٰہ علی	وغیر رشتہ دار سب پر یکساں جاری۔
القریب والبعید، ولا	کرو اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت
تاخذکم فی اللّٰہ لومة	کرنے والوں کی ملامت کی پروا
لائم (ابن ماجہ کتاب الحدود)	نہ کرو۔

(۲)

جبلہ بن الیہم غسانی ایک عیسائی شہزادے نے عہد فاروقی میں

اسلام قبول کیا تھا۔ طوافِ کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ کھینچ مارا۔ اُس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بے تاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر کے پاس آ کر شکایت کی۔ آپ نے سُن کر کہا۔ تم نے جیسا کیا تھا۔ ویسی ہی اس کی سزا بھی پائی۔ اُس نے کہا "ہمارے ساتھ کوئی گستاخی کرے۔ تو اس کی سزا قتل ہے" مگر حضرت عمر نے فرمایا "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے شریف و ذلیل اور پست و بلند کو ایک کر دیا" جبلہ اس ضد میں پھر عیسائی ہو گیا۔ اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفۂ اسلام نے مساواتِ اسلامی کی قانون شکنی گوارا نہ کی۔

خود آنحضرت کا اسوۂ حسنہ

مساواتِ قانونی کو چھوڑ کر اسلام کی عام طرزِ مساوات پر غور کرنا چاہیئے۔ آنحضرت تمام مسلمانوں کے آقا اور سردار تھے تاہم آپ نے عام مسلمانوں سے اپنے لئے کبھی کوئی امتیاز نہیں چاہا۔ ایک سفر میں کھانا پکانے کے لئے صحابہ نے کام تقسیم کر لئے۔ تو جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت سرورِ کائنات نے خود اپنے ذمہ لی۔

حضرت انس دس برس خدمتِ نبوی میں رہے۔ لیکن اُن کا بیان

ہے۔ کہ مدت طویل میں میں نے جتنی خدمت آپ کی کی۔ اُس سے زیادہ آپ نے میری کی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ ما قال لی فی شئی لما فعلت" یعنی تحکمانہ کام لینا یا جھڑکی دینا تو بڑی بات ہے۔ کبھی آپ نے اتنا بھی نہ کہا۔ کہ فلاں کام یوں سے یوں کیوں کیا۔

غلام اور آقا

ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ نے فرمایا:

"یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جن کو خدا نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے۔ جو خود کھاؤ۔ وہ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔"

اسلام نے نہایت شدت کے ساتھ اس سے روکا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ "غلام" اور "باندی" کہے۔ کیونکہ سب خدا ہی کے غلام ہیں۔ اسی طرح غلاموں کو فرمایا کہ اپنے مربیوں کو آقا نہ کہیں کہ مساوات اسلامی میں اس سے فرق آتا ہے۔

ایک بار ایک صحابی نے آنحضرت کو ان الفاظ سے خطاب کیا۔ کہ "اے آقائے من" آپ نے فرمایا۔ "مجھ کو آقا نہ کہو۔ آقا تو ایک ہی ہے۔ یعنی خدا۔

صحابہ کا طرزِ عمل

خلفائے راشدین جو تعلیم اسلامی کے زندہ پیکر تھے۔ اُن کا بھی ہمیشہ یہی طرزِ عمل رہا۔ حضرت عمرؓ اور ان کا غلام سفر بیت المقدس میں باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ بیت المقدس کے جب قریب پہنچے تو غلام کی باری تھی۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ سوار ہوں۔ کہ شہر نزدیک آگیا۔ آپ نے نہ مانا۔ اور آخر خلیفۂ اسلام بیت المقدس میں اس طرح داخل ہوا کہ اُس کے ہاتھ میں اُونٹ کی مہار تھی۔ اور اُونٹ پہ اس کا غلام سوار تھا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا۔ جب کہ تمام شہر خلیفۂ اسلام کی شان و عظمت کا تماشا دیکھنے کے لئے اُمنڈ آیا تھا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

واقعہ اجنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس مسلمانوں کے دریافت حال کے لئے لشکر اسلام میں بھیجا جاسوس اسلام کے ان سچے نمونوں کو دیکھ کر جب واپس آیا۔ تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیّر کے عالم میں بول اُٹھا:

ھم باللیل رھبان وبالنھار	یہ لوگ راتوں کو استغراق عبادت
فرسان لوسرق ابن ملکھم	میں راہب ہوتے ہیں۔ مگر دن کو
قطعوہ۔ وان زنی رجموہ۔	شہسوار اگر ان کا شہزادہ بھی چوری

کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اور اگر زنا کرے تو اسے بھی رجم کریں۔

خصائص مسلم کی یہ اصلی تصویر تھی۔

مساواتِ قانونی کی ایک مثال

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری میں ماخوذ ہوئی۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنے کے لئے حضرت اسامہ کو آمادہ کیا جن کو آپ بہت عزیز رکھتے تھے لیکن جب اس واقعہ کے متعلق اسامہ نے آپ سے سفارش کی۔ تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"اے لوگو! تم سے پہلے قومیں اس لئے ہلاک کی گئیں۔ کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا۔ (چوری کا ذکر صرف خصوصیت واقعہ کی بنا پر ہے ورنہ اس سے مراد عام جرائم ہیں) تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ لیکن خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی۔ تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے"

(بخاری الشفاعۃ فی الحدود)

یہ ہے اسلام کی فرمانروائی کی اصلی تصویر اور یہ ہے۔ وہ مساوات کی حقیقی تعلیم جس کے ساتھ اعمال نبوت کا اسوۂ حسنہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ انقلاب فرانس نے یورپ کو استبداد و تسلط اور امتیازِ افراد سے نجات دلائی۔ اور اس نے معلوم کیا۔ کہ ہر انسان بلحاظ انسان ہونے

کے انسان ہے۔ اگرچہ وہ سر پر تاج اور ہاتھ میں عصاء حکومت رکھتا ہو۔ لیکن بایں ہمہ آج بھی جب کہ تمام یورپ سے شخصی فرما نروائی کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ جب کہ قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ جب کہ مساوات و آزادی کے حامیوں سے اس کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ ایک نظیر بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے۔ جس میں فرمانروائے وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساوات انسانی کا اعلان کیا ہو۔ اور خود اپنے اوپر اس کا نمونہ پیش کرنے کے لئے آمادہ ہو۔

انگلستان میں پادشاہ قانون کے تابع بیان کیا جاتا ہے۔ اور امریکہ و فرانس میں پریذیڈنٹ ایک عارضی مشورہ فرمائے حکومت سے زیادہ نہیں۔ لیکن اگر واقعات و نظائر کے جمع کرنے پر متوجہ ہوں۔ تو صدہا واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قانون نے اس دورِ مدنیت و آزادی میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ اور پادشاہ و رعایا کا ویسا ہی فرق قائم رکھا ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں منو کے زمانے میں تھا یا دورِ مظلمہ کی ان انسانی پرستش گاہوں کے عہد میں جس کو آج تاریخ لعنت و نفرین کے ساتھ یاد کرتی ہے۔

ہم کو یورپ کی ان عدالتوں کا نشان دو جہاں پادشاہِ وقت ایک معمولی فردِ رعایا کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے آ کر کھڑا ہو۔ کیونکہ ہم نہ صرف مدینے کی اس سادہ عدالت کدہ مسجد ہی میں نہیں۔ بلکہ دمشق اور بغداد کے

پر شوکت عدالت خانوں میں بھی ایسا ہی دیکھ رہے ہیں۔ ہم کو وہ قانون بتلاؤ۔ جس نے چوری کی سزا سپاہی کے لڑکے کی طرح بادشاہ کی لڑکی کو بھی دینی چاہی ہو۔ کیونکہ عرب کے اس قدوس بادشاہ کا اعلان ہم پڑھ رہے ہیں۔ جو بادشاہوں کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔

کیا آج بھی قانون عملاً ادنیٰ و اعلیٰ میں تمیز نہیں کرتا؟ کیا کل کی بات نہیں ہے۔ کہ انگلستان میں ایک مدعی کے جواب میں پارلیمنٹ نے اعلان کر دیا تھا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ عدالت اس کے نام سمن جاری کر سکتی ہے۔ یہ اعلان ہی نہیں ہے بلکہ قانون ہے۔ کیونکہ قانون نے بایں ہمہ ادعاء مساوات بادشاہ کو عدالت کی حاضری سے بری اور مستثنیٰ کر دیا ہے۔

صدیوں کی جد و جہد کے بعد دنیا کا آج حاصل حریت اس سے زیادہ نہیں۔ پھر وہ دعوت کیسی مقدس و محترم اور وہ مؤید من اللہ ہاتھ کیسا عظیم و جلیل تھا۔ جس نے چھٹی صدی کی تاریکی میں حقیقی حریت و مساوات انسانی کا چراغ روشن کیا۔ اور اعلان کر دیا۔

"لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت" لقطعت یدیہا" صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحبہ وسلم۔

خلیفۂ اوّل کا اعلان حق اور مساوات کا تخیلِ عمومی

حضرت ابوبکر نے جو پہلی تقریر کی تھی۔ اُس کے حسب ذیل فقرے پڑھو :-

وان اقوٰکم عندی الضعیف حتّٰی اخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتّٰی اخذ منہ الحق۔	تم میں جو قوی ہے۔ وہ میرے نزدیک ضعیف ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں، اور ضعیف ہے وہ قوی ہے۔ تاآنکہ میں اُس کو اس کا حق نہ دلوا دوں۔

(ابن سعد جلد ۳ - صفحہ ۱۲۹)

اس مساوات کی تعلیم نے پیروان اسلام کے قلب و دماغ کو حریت و مساوات کے تخیل سے لبریز کر دیا تھا۔ فارس کی لڑائی میں جب مغیرہ بن سعد ایرانی سپہ سالار کے پاس سفیر بن کر گئے۔ اور تخت پر اُس کے برابر بیٹھ گئے، تو درباریوں نے یہ سوء ادب دیکھ کر تخت سے اُتار دیا تھا۔ اس پر ان کے منہ سے کس بے ساختگی کے ساتھ یہ الفاظ نکلے ہیں۔

انا نحن معشر العرب لایتعبد بعضا بعضا	ہم مسلمانوں میں تو ایک دوسرے کو غلام سمجھنے کا دستور نہیں ہے یہ تمہارا

(طبری صفحہ ۱۰۸) کیا حال ہے ؟

امتدادِ زمانہ نے خصوصیات اسلام بہت کچھ مٹا دیئے۔ تاہم اس دفعہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ آج مہذب ترین ممالک میں سیاہ و سپید قومیں اپنی عبادت گاہوں میں ایک دوسرے کے ساتھ صف میں نہیں بیٹھ سکتیں۔ لیکن مساجد اسلامیہ میں ایک ادنیٰ ترین مسلمان ایک امیر الامرا بلکہ شاہِ افغانستان کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوتا ہے۔ اور کوئی اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ لیکن ان تعلیمات و واقعات کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام میں مساوات نہیں؟ اور اس بارے میں وہ آج یورپ سے درس حریت لینے کا محتاج ہے۔

نظامِ جمہوری میں امام یا خلیفہ کا تقرر انتخابِ عام سے ہو۔

اس مبحث کو ہم دو حصوں میں بیان کرینگے۔

(۱) تاریخ شاہد ہے۔ کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا تقرر بحق وراثت یا باستبداد رائے نہیں ہوا۔ بلکہ مجمع عام میں مہاجرین و انصار کی کثرت رائے سے (جو بمنزلہ ارکانِ خاص تھے) اور عام مسلمانوں کے قبول سے ہوا (جو بمنزلہ ارکان عام تھے) حضرت ابوبکر کا انتخاب نشست گاہ

بنو ساعدہ میں حضرت عمر کی تحریک، مہاجرین و انصار کی تائید اور عامۂ مسلمین کی پسندیدگی سے ہوا۔ حضرت عمر کا انتخاب حضرت ابوبکر کی تحریک، مہاجرین و انصار و عامہ مسلمین کی تائید و قبول سے ہوا۔ حضرت عثمان کو عبدالرحمان بن عوف وغیرہ کی ایک نیابی مجلس کے انتخاب اور عام اہل مدینہ کے مشورہ سے خلیفہ بنایا گیا۔ اسی طرح حضرت امیر اہل مصر و اہل مدینہ کی تجویز و قبول سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے تو صاف فرمادیا "لا خلافۃ الا عن مشورۃ" (کنز العمال صفحہ ۱۲۹ - جلد ۳) یعنی خلافت صرف عام مشورہ سے طے ہو سکتی ہے۔ شریعت میں اس کے تعین کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

واقعۂ تحکیم میں حضرت امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ کی معزولی میں بھی قوم ہی کی رائے سے مدد لینی پڑی۔ گو اس میں امیر معاویہ کے نائب نے مکر و خدع سے کام لیا تھا۔ اور قوم کو دھوکا دینا چاہا تھا۔

حضرت امیر کی تصریح

امیر معاویہ نے حضرت امیر علیہ السلام کو لکھا تھا کہ تم کو خلیفہ کس نے بنایا؟ حضرت جواب میں فرماتے ہیں:

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا — جس قوم نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت

یعوا ابابکر وعمر وعثمان
وعلی ما بایعوھم علیہ فلم یکن
للشاھد ان یختار ولا للغائب
ان یرد وانما الشوریٰ
للمہاجرین والانصار
فان اجتمعوا علی رجل وسموہ
اماما کان ذلک رضی فان
خرج من امرھم خارج
بطعن او بدعۃ ردوہ
الی ماخرج منہ فان ابی
قاتلوہ علی اتباعہ غیر
سبیل المومنین ۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۷)

کی تھی ۔ اور جن شرائط پر بیعت کی تھی ۔ اسی نے انہی شرائط پر میری بھی بیعت کی ۔ جو مجلس انتخاب میں موجود ہو اس کو حق نہیں ۔ کہ اپنی رائے پر اڑا رہے اور جو غیر حاضر ہو اس کو حق نہیں کہ اپنی غیر حاضری کی بنا پر انتخاب کو رد کر دے ۔ حق مشورہ مہاجرین و انصار کو ہے ۔ اگر وہ کسی ایک شخص پر متفق الرائے ہو جائیں ۔ اور اس کو امام مقرر کر دیں ۔ تو یہ ان کی رضائے عام پر دال ہے ۔ پس اگر کوئی ان کی متفق علیہ رائے سے کسی طعن یا بدعت کے سبب سے علیحدہ ہو ۔ تو ان پر واجب ہوگا کہ جس سے وہ علیحدہ ہوا ۔ اس کے قبول پر" مجبور کیا جائے ۔ اگر وہ اب بھی نہ مانے تو اجماع رائے مسلمین کی بنا پر اس سے جنگ کریں ۔

حقیقت یہ ہے ۔ کہ جناب امیر نے ان چند فقروں میں انتخاب خلافت وجمہوریت کے تمام ارکان کی بہترین تفصیل کر دی ہے ۔ اور ایسی تفصیل جس سے بہتر تفصیل آج بھی نہیں ہو سکتی ۔

ہماری دیگر مطبوعات

فلسفے کا نیا آہنگ	۲/۵۰	مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا	۷۵/
فلسفے کی نئی تشکیل	۲/-	خدا موجود ہے	۱/۵۰
ثقافت کا مسئلہ	۱/-	گھاس کا سمندر	۱/۵۰
قدیم علوم اور جدید تہذیب	۱/-	سائنس کی پھانس	۱/-
قدیم تہذیب اور جدید انسان	۳/۵۰	چہ دلاور است دزدے	۱/-
آبادی کا مسئلہ	۱/۵۰	دو بیضوی تصویر	۱/-
خوراک کا مسئلہ	۱/۵۰	عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معما	۱/-
کیا سائنس ہمیں بچا سکتی ہے؟	۱/۷۵		

زیرِ طبع کتابیں بہ اشتراکِ موسسۂ مطبوعات فرینکلن

لال نشان ترجمہ سیدہ نسیم ہمدانی	۳/-	بچوں کی زندگی کے بحران - ترجمہ ابوالحسن نغمی	۱/۵۰
فنون لطیفہ اور انسان ترجمہ عابد علی عابد	۲/-	آپ کا حافظہ ترجمہ شیر محمد اختر	۰
غیر معمولی ذہین بچہ ترجمہ سید سبط حسن	۲/-		
والدین کے ساتھ گذر بسر - ترجمہ ابوالحسن نغمی	۱/۵۰	جینے کے سلیقے بہ رئیس احمد جعفری	۳/-

شیش محل کتاب گھر

۲۴ - دی مال

لاہور

سردار محمد ابراہیم خان سابق صدر حکومتِ آزاد کشمیر

تحریکِ آزادیٔ کشمیر

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ آزادی اور جنگِ حریت میں سردار محمد ابراہیم خان ایک ممتاز و خاص مقام کے مالک ہیں۔ حکومتِ آزاد کشمیر کی تشکیل و ترتیب اور جہاد میں جو خدمات آپ نے سرانجام دی ہیں وہ تاریخی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔

کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے جس میں کشمیر کے قضیئے کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے مستقبل کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ باوجود ملکی مصلحتوں کے کئی واقعات سے بڑی بے خوفی اور جرأت سے پردہ اٹھایا ہے۔ اور حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

کتاب میں جہاں کشمیری حریت پسندوں اور مجاہدوں کی اولوالعزمی کی داستان ہے وہاں مسلمانانِ جموں کی دلیری اور اسلام دوستی کی کہانی بھی ہے۔ وادی کے لوگوں کی آزادی کی تڑپ کا قصہ بھی ہے اور بھارتی مظالم کی روداد بھی۔

سردار محمد ابراہیم خاں کی یہ کوشش ہر لحاظ سے قابلِ تحسین ہے اور وہ طبقہ جسے کشمیر سے دلچسپی ہے اس کے لیے یہ کتاب بیحد ضروری ہے۔ ہفت روزہ قندیل لاہور ۱۰-۸-۶۵

اب اردو زبان میں بھی پڑھیے۔ ۶/ روپے

کلاسیک
لاہور